اصطلاحاتِ
حج و عمرہ



ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

مقتدرہ قومی زبان * پاکستان

اصطلاحاتِ

حج و عمرہ

تالیف

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

مقتدرہ قومی زبان ☆ پاکستان

۲۰۰۹ء

سلسلہ مطبوعات مقتدرہ: ۴۹۷

عالمی معیاری کتاب نمبر ۵-۲۳۳-۴۷۴-۹۶۹-۹۷۸ ISBN978-969-474-233-5

☆

طبع اوّل	.... ۲۰۰۹ء
تعداد	.... ۱۰۰۰
قیمت	.... ۱۵۰ روپے
کمپوزنگ	.... شمشاد نعیم
پروف خوانی	.... حاجی غلام مہدی
طابع	.... پرنٹ سنائل، اسلام آباد
اہتمام	.... تجمل شاہ
ناشر	.... **افتخار عارف** صدر نشین مقتدرہ قومی زبان، ایوانِ اُردو، پطرس بخاری روڈ، ایچ۔۸/۴، اسلام آباد، پاکستان۔

2517

☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰه عزوَجَلَّ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

(۳۔(آل عمران)،۹۷)

(اور لوگوں پر یہ اللہ کا حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے
کی قدرت رکھتا ہے، وہ اس کا حج (زیارت) کرے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اہلِ علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ علم اصطلاحات کے باب میں مسلم علما نے بہت نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ہمارے صاحبانِ علم نے مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات کو دو طریقوں سے مرتب کیا ہے۔ پہلی صورت یہ اپنائی کہ ایک ہی کتاب میں مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات جمع کیں۔ معلوم اور مستند حوالوں کی روشنی میں ان کے مفہوم و معنی کی تشریح کی۔ اصطلاحات کی جمع و ترتیب کی دوسری صورت یہ اختیار کی کہ ایک کتاب میں ایک ہی فن کی اصطلاحات کو جمع کیا۔ اس طریقے نے علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مزید آسانیاں پیدا کر دیں۔ اُن کے اس علمی امتیاز اور تقدم کا اعتراف ساری دنیا کے صاحبانِ علم وفضل نے کیا۔

مختلف علوم وفنون کے لغات اور اصطلاحات کو اُردو میں مرتب و مدوّن کرنے میں جہاں برصغیر کے متعدد ادارے مصروف ہیں وہاں مقتدرہ بھی گزشتہ تیس برس سے اس علمی اور قومی تحریک میں بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ مقتدرہ کی وسیع تر کوششوں کا ایک اہم اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ سائنسی اور عصری علوم کی اُردو میں ترویج و اشاعت کے ساتھ، وہ دینی علوم کی ترویج و اشاعت کو بھی اپنے فرائض کا ایک اہم حصہ سمجھتا ہے۔ اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کی ابتدا کم و بیش پندرہ برس پہلے قرآن مجید کے عربی اُردو لغت کی اشاعت سے کی گئی۔ قرآن مجید کی برکت اور مرتبہ کام کے دلنشین اور آسان اسلوب کے باعث، مقتدرہ کی اس پیشکش کو جہانِ علم میں بے حد پسند کیا گیا۔ اس عرصے میں اس لغت کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ ''قرآن مجید کے عربی اُردو لغت'' کے بعد مقتدرہ نے اصطلاحاتِ قرآن پر ایک مستقل کتاب شائع کی۔ یہ

کتاب بھی ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے مرتب کی تھی۔ ہم نے اپنی اس کاوش اور کوشش کے بعد جائزہ لیا کہ اس میدان میں اور کہاں قدم آگے بڑھائیں۔ ہم نے دیکھا کہ حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے ہر سال کئی لاکھ افراد پاکستان سے جاتے ہیں، اُن میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حج اور عمرہ کی اصطلاحات سے مکمل طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔ اکثر زائرین کو بنیادی احکام و مسائل کا بھی علم نہیں ہوتا۔ حج اور عمرہ کی اصطلاحات پر مواد دیکھنے میں نہیں آتا۔ مقتدرہ نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ ملک کے معروف اسکالر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی سے درخواست کی کہ اس اہم اور مشکل ذمہ داری کی ادائیگی میں وہ مقتدرہ کی مدد کریں۔ ہم اُن کے شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے ہماری تجویز اور خواہش کے مطابق حج اور عمرہ کی اصطلاحات پر ایک جامع اور مستند کتاب مرتب کر کے ہمارے حوالے کی اور صحیح معنی میں اس کارِ خیر میں ہمارے معاون بنے۔

اللہ سبحانہ کا ہزار شکر کہ اُس نے ہمارے ایک اچھے اور مخلصانہ ارادے کو عمل کے قالب میں ڈھالنے کی ہمت و توفیق بخشی۔ اُمید ہے اہلِ علم اور زائرینِ حرم، مقتدرہ کی اس کاوش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔ زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ حج اور عمرہ کی ادائیگی میں اُن کے لیے مزید سہولت اور یکسوئی کا ذریعہ بنے گا۔

افتخار عارف ———

فہرستِ عنوانات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیسے کیا ؟

سیدنا جابر بن عبداللہؓ کی زبانی سنیے :

جابر بن عبداللہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، صحابی کے بیٹے ۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں دونوں باپ بیٹے حاضر ہوئے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے ۔

جابر کا شمار، طبقۂ صحابہ کے فقہاء اور محدثین میں ہوتا ہے ۔ مسجدِ نبوی میں درس دینے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ ایک ہزار، پانچ سو، چالیس حدیثوں کے راوی ہیں ۔ زندگی کے آخری دن کوفہ میں گزارے ۔

مرنے سے پہلے وصیت کی کہ حجاج بن یوسف، میری نمازِ جنازہ نہ پڑھائے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناسکِ حج کا سب سے تفصیلی بیان، امتِ مسلمہ کو جابر کی زبانی پہنچا ۔ ربِّ کریم نے یہ سعادت اُنہی کے لیے مقدر کی تھی، اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سمیٹی ۔

حضور علیہ السلام نے حجِ فرض کیسے ادا کیا، ہم سیدنا جابر (رضی اللہ عنہ) کے بیان کو اپنی زبان (اردو) میں ہدیۂ ناظرین وقارئین کر

رہے ہیں۔

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آئے ہوئے نو سال ہو چکے تھے لیکن اس نو سال کے عرصے میں آپ نے حج نہیں کیا، قیامِ مدینہ کے دسویں سال اعلانِ عام کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، اِس اعلان کے بعد ہر طرف کے لوگوں نے مدینہ کا رخ کیا، ہر شخص کی یہ آرزو اور تمنا تھی کہ وہ امام المرسلین کی امامت و قیادت میں یہ عظیم فریضہ ادا کرے، رسول اعظم کو اپنی آنکھوں سے مناسکِ حج ادا کرتے دیکھے اور اس کے اسوۂ عمل کا مشاہدہ کرے۔

سن دس ہجری، ذی قعدہ کی پچیس تاریخ، ہم حضور علیہ السلام کی سربراہی میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت تقریباً ایک لاکھ توحید کے پروانے جمع ہو چکے تھے، وہ آپؐ کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ ازواج مطہرات بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ روانگی کا منظر یہ تھا کہ مسجدِ نبوی میں نفل نماز ادا کی، اپنی اونٹنی قَصْویٰ پر سوار ہوئے۔ (یہ وہی اونٹنی تھی جو مکہ سے ہجرت کرتے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کو پیش کی تھی، ہجرت کا سفر اسی اونٹنی پر طے کیا تھا)۔

حدِ نگاہ تک میں نے دیکھا، انسانوں کا ایک سیلاب تھا، دائیں بائیں، آگے پیچھے۔ جہاں تک نظر جاتی، انسانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آقائے دوجہاں، عشاق کے اس سیلِ بے کراں کے

درمیان تھے۔ آپؐ پر قرآنی آیات کا نزول ہورہا تھا، آپؐ جو کچھ بھی پڑھ رہے تھے، یا جو بھی عمل کر رہے تھے، ہم میں سے ہر شخص اُسی کو دہرا رہا تھا۔ آپؐ کی زبانِ مبارک پر یہ ترانۂ تقدیس تھا:

"لبیک، اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک، لاشریک لک"۔

اسی ترانۂ تقدیس کو سب لوگ دہرا رہے تھے۔

مدینہ سے نکل کر ''ذوالحلیفہ'' کے مقام پر ٹھہرے۔ مکہ سے نمازِ ظہر پڑھ کر روانہ ہوئے تھے، نمازِ عصر ذوالحلیفہ میں جا کر ادا کی، رات یہیں گزاری، اگلے روز (۲۶ ذی قعدہ) کو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپؐ نے اور تمام صحابہ نے احرام باندھا، پہلے غسل کیا، سر میں تیل ڈالا، لباس بدلا، چادر اوڑھی، دو رکعت نفل نماز ادا کی، تلبیہ پڑھا اور اونٹنی پر سوار ہوئے۔

حضورؐ کے احرام کے ساتھ ہم سب نے بھی احرام باندھا، ہمارا احرام، حجِ اِفراد کا تھا۔

جب آپ مقام ''بیداء'' میں پہنچے تو بلند آواز سے تلبیہ پڑھا، (بعض روایات میں آتا ہے کہ جبرئیل امین آئے، انہوں نے حضورؐ سے کہا: سب لوگوں کو حکم دیجئے کہ وہ تلبیہ کہتے وقت اپنی آوازوں کو اونچا کریں) راستے بھر ہر بلندی پر چڑھتے، ہر وادی میں اُترتے اور ہر موڑ مڑتے وقت، تمام صحابہ اِس ترانۂ تقدیس وتکبیر کو حضور علیہ السلام کے ساتھ بلند آواز سے دُہراتے رہے۔

ذی الحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت نبی علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت پرستاران توحید کی تعداد سوا لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ آپؐ، مکہ میں اسی بالائی سمت سے داخل ہوئے جس سے فتح مکہ کے دن فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے تھے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''ہم نے صرف حج کا ارادہ کیا تھا، ہم نہیں جانتے تھے کہ عمرہ کیسے ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے مناسک کیا ہیں۔؟ یہاں تک کہ حضور کی امامت وقیادت میں بیت اللہ الحرام تک پہنچ گئے۔ جب آپ کی نظر مبارک کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے فرمایا: **اللھم زد بیتک ھذا، تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃً**۔ (اے اللہ! اپنے اِس گھر کی عزت، حرمت اور عظمت و بزرگی میں اور اضافہ فرما)۔

بیت اللہ پر پہنچ کر سب سے پہلے آپؐ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر طوافِ کعبہ کیا، پہلے تین چکر، تیز تیز چل کر کیے، جن سے قدرے قوت وشوکت کا اظہار ہوتا ہے، باقی چار چکر معتدل اور معمول کی رفتار سے چل کر پورے کیے۔

طواف کرنے کی حالت میں آپؐ نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اس کا ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کر کاندھے پر ڈال لیا تھا۔

جب حجرِ اسود کے سامنے سے گزرتے، تو آپؐ اس چھڑی سے اس کی طرف اشارہ کرتے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اس سے حجرِ اسود کو چھوتے اور پھر اسے چوم کر آگے بڑھ جاتے۔

طوافِ کعبہ کے سات چکر پورے کر کے آپؐ مقامِ ابراہیم کی طرف

آئے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: **واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ** ۔(۲/ ۱۲۵)۔ [ابراہیم، جہاں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، اُسے مستقل جائے نماز بنالو]۔ پھر آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقامِ ابراہیم، آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ وہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، پہلی رکعت میں ''**قل یاایها الکافرون**'' اور دوسری رکعت میں ''**قل هوالله**'' پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ پھر حجرِ اسود کی طرف لوٹے، اسے آپؐ نے بوسہ دیا اور ایک دروازے سے سعی کے لیے صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے۔ جب صفا پہاڑی سے بالکل قریب ہوئے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی: **ان الصفا والمروة من شعائر الله** ۔(۲/ ۱۵۸)۔ [یقیناً صفا اور مروہ، اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں]۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''میں سعی کو صفا سے شروع کرتا ہوں کیوں کہ اللہ نے آیت میں اس کا ذکر پہلے فرمایا''۔ چناں چہ آپؐ پہلے صفا پر آئے اور اتنی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظروں کے سامنے آگیا، اُس وقت آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے۔ فرمایا:

لاالٰه الا الله وحدهٗ، لاشریک لهٗ، لَهُ الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شیء قدیر، لاالٰه الا الله وحدهٗ، انجز وعدهٗ، و نصر عَبْدَهٗ، وهزم الاحزاب وحده ''۔ [اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بندگی میں اس

کا کوئی شریک نہیں، ساری کائنات پر اس کی فرماں روائی ہے، حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تنہا معبود و مالک ہے، اس نے اپنے رسول سے فتح و غلبے کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے بندے (اور رسول) کی بھرپور مدد کی، اور کفر کے لشکروں کو تنہا شکست دی]۔

آپؐ نے تین مرتبہ اِن کلمات کو دہرایا، ان کے درمیان دعا کی۔ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے، وادی کے نشیب میں پہنچے تو تیز تیز چلے، نشیب سے اوپر آئے تو معمول کی رفتار سے چلے۔ یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر پہنچے۔ یہاں پہنچنے کے بعد بھی آپؐ نے وہی کلمات ادا فرمائے جو صفا پہاڑی پر ادا کیے تھے۔ یہاں تک کہ ساتواں پھیرا پورا کر کے واپس مروہ پہاڑی پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے فرمایا: اگر مجھے اس بات کا پہلے علم ہوتا جس کا علم بعد میں ہوا، تو میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا، اور حج کا عمرہ بنالیتا، تم میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ حلال ہو جائے اور اس حج کو عمرہ بنالے''۔ حضور کا یہ ارشاد سن کر اکثر لوگ حلال ہو گئے اور بال کٹوا دیئے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن لوگوں کے پاس ہدی تھی، وہ حلال نہ ہوئے۔

پھر سُراقہ بن مالک کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: ''ہمیں یہ حکم صرف اِسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے''؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا: ''عمرہ، حج میں اِس طرح داخل ہو گیا ہے، جس طرح میرے

ہاتھوں کی انگلیاں، ایک دوسرے میں داخل ہوگئی ہیں''۔آپؐ نے اس فقرے کو دو مرتبہ دہرایا۔اور وضاحت کی کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یمن سے قربانی کے جانور لے کر پہنچے، دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حلال ہوکر رنگین کپڑے پہنے بیٹھی ہیں، سرمہ بھی لگا رکھا ہے۔حضرت علیؓ کو فاطمہ کا یہ عمل اچھا نہ لگا، حضرت فاطمہؓ بھانپ گئیں، کہنے لگیں: ''میرے والد نے مجھے یہی حکم دیا ہے''۔حضرت علیؓ نے کہا: ''اس کے بعد میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں غصے کی حالت میں تھا، فاطمہ نے جو کہا تھا، میں نے اس کے بارے میں حضور سے پوچھا، آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا، آپؐ نے فرمایا: جب تم نے حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا۔؟ علیؓ کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا کہ: ''میں نے کہا تھا: اے اللہ! میں بھی اسی کا احرام باندھتا ہوں، جس کا آپ کے رسول نے باندھا ہے''۔آپؐ نے فرمایا: ''میرے ساتھ تو ہدی ہے، اب تم بھی حلال نہ ہونا''۔

حضرت علیؓ، یمن سے اور حضورؐ، مدینہ سے جو اونٹ لائے تھے وہ سب ملا کر ایک سو ہو گئے۔

بہر کیف اکثر لوگوں نے احرام کھولا اور بال کٹوائے۔مگر نبی اکرمؐ اور بعض دوسرے حضرات، جو اپنے ساتھ ہدی لائے تھے، وہ حلال نہ ہوئے۔

پھر جب یوم الترویہ ہوا، یعنی ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ۔تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر منٰی کے لیے روانہ ہوئے۔ منٰی پہنچ کر آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھ تمام صحابہ نے مسجدِ خیف میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا کیں۔ نمازِ فجر کے بعد آپؐ کچھ دیر منٰی میں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، تب آپؐ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔

جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ نے اونٹنی (قصواء) پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا، اونٹنی پر کجاوہ کس دیا گیا، آپؐ اس پر سوار ہوئے، وادیِ عرفہ کے درمیان آئے۔ اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے خطبہ ارشاد فرمایا:۔

(ترجمہ[1])۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد۔

فرمایا:

''لوگو! میری بات غور سے سنو، میرا خیال ہے کہ شاید اِس سال کے بعد اِس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں، اور نہ شاید اِس سال کے بعد (آئندہ) حج کر سکوں''۔

لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے لوگو۔! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے بنا دیئے۔ تاکہ تم پہچانے جا سکو، یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیز گار ہے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ اور کسی کالے کو کسی گورے پر، اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت اور برتری، صرف پرہیز گاری کی بنا پر ہے۔

سب لوگ، آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں، اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

خبردار! خون، یا مال کا ہر وہ دعویٰ جس کے لوگ مدعی ہیں، وہ میرے قدموں تلے ہے (میں اُسے باطل قرار دیتا ہوں) مگر بیت اللہ کی نگرانی، اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حسب دستور رہے گی۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے گروہ قریش!

قیامت کے روز ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے آؤ، اور لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں، (یاد رکھو) اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا،

خبردار! زمانۂ جاہلیت (قبل از اسلام) کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، زمانۂ جاہلیت کے تمام خون (خواہ وہ کسی کے بھی ہوں) سب معاف ہیں (اب طرفین میں سے کوئی اس کا بدلہ نہیں لے سکے گا)۔

میں اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون، جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا ہے، معاف کرتا ہوں، واقعہ یہ تھا کہ عامر بن ربیعہ نے بنی سعد سے کسی دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا، جسے ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا۔ دورِ جاہلیت کا ہر سود معاف ہے۔ (اس قانون کی ابتداء بھی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں) اور اپنے عمِ محترم عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں، ان کا سود سب کا سب معاف اور کالعدم ہے۔

لوگو۔! تمہارے خون (جانیں) تمہارے اموال، اور تمہاری عزت و آبرو قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن، اس مہینے، اور اس شہر کی حرمت واجب ہے۔ اور تم سب عنقریب اپنے پروردگار سے جاملو گے، جہاں تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

اے لوگو۔! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں، اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو، نیز ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تمہارے رب نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کردو، (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو) پھر تمہیں اجازت ہے کہ انہیں ایسی ہلکی مار مارو جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں، اور اگر وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں تو حسب دستور ان کا کھانا اور کپڑا تمہارے ذمے ہے۔

خبردار۔! کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے، عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ہمیشہ پابند رہو، کیوں کہ وہ تمہاری زیرنگرانی ہیں اور اس حیثیت میں نہیں کہ اپنے معاملات خود چلاسکیں، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، اور اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کو اپنے لیے جائز و حلال کیا ہے۔

لوگو۔! اللہ تعالیٰ نے (میراث کا قانون نازل کر کے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لیے اب کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز و نافذ نہیں،

بچے کا نسب اسی مرد سے ثابت ہوگا جس کی وہ بیوی ہے، جس نے بدکاری کی، اس کے لیے سزا ہے (بچہ اس کا نہیں کہلائے گا)۔ اور ان کا حساب و کتاب اللہ کے ذمے ہے۔

جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی، یا کسی غلام نے اپنے کو کسی دوسرے مالک کی طرف منسوب کیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

قرض ادا کیا جائے گا، عاریتاً واپس کی جائے گی، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

خبردار۔! جرم کرنے والا خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔

کسی شخص کے لیے کسی بھائی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ دے، پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

لوگو۔! (خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں، تم خود جو کچھ کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی انہیں بھی پہناؤ۔

خبردار۔! میرے بعد گمراہ (یا کافر) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو ٹھیک طریقے سے لوٹا دے۔

اگر کوئی نکٹا اور سیاہ فام حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے، تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔

اے لوگو۔! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور تمہارے بعد اب کوئی نئی امت نہیں۔

میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم مضبوطی سے اُسے تھامے رہو گے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اور وہ نعمت اللہ کی کتاب، قرآن مجید ہے۔

لوگو۔! مذہب میں غلو اور انتہا پسندی سے بچو۔ کیوں کہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔

اے لوگو۔! اب شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اس سرزمین پر اس کی پرستش کی جائے گی۔ لیکن عبادات کے سوا دوسرے معاملات میں اپنے پست افعال کے ذریعے اس کی فرماں برداری کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا۔ پس تم اپنے دین کو اس (کے شر) سے بچا کر رکھنا۔

خبردار۔! اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا

طواف کرو، اپنے اُمَراء کے حکم کی پیروی کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اے لوگو۔! نسئ، کفر کی زیادتی کا سبب ہے، اس کے ذریعے کفار گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک سال حرام مہینوں کو حلال کر لیتے، اور دوسرے سال انہی کو حرام قرار دے لیتے تھے، تاکہ اس طرح حرام مہینوں کی گنتی پوری کریں، لیکن اب زمانہ اپنی اس ابتدائی حالت پر لوٹ آیا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین مہینے مسلسل ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک ماہ رجب ہے، جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔

خبردار۔! جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میری بات اُن لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کیوں کہ بہت سے لوگ جن کو میرا پیغام پہنچے گا، وہ ان لوگوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں گے جو اس وقت سننے والے ہیں۔

تم لوگوں سے میرے متعلق بھی پوچھا جائے گا، بتاؤ، تم میرے بارے میں کیا کہو گے۔؟

حاضرین نے (یک زبان ہوکر) عرض کیا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے امانت کو (پوری طرح) ادا کر دیا، اللہ کا پیغام (ہم تک یا لوگوں تک) پہنچا دیا، اور نصیحت پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ ، تو گواہ رہو!

اے اللہ ، تو گواہ رہو!

اے اللہ ، تو گواہ رہو!

آپؐ اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرماتے!

اے اللہ ، گواہ رہنا۔!

اے اللہ ، گواہ رہنا۔!

اے اللہ ، گواہ رہنا۔!

اس کے بعد آپؐ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی، پھر اقامت، کہی، اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

عرفات میں ٹھہرنا (وقوف)

جب ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ بلافصل پڑھ چکے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آپؐ میدان عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی اونٹنی قصواء کا رخ آپؐ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں، اور پیدل مجمع کو آپؐ نے اپنے سامنے کرلیا اور آپؐ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے، یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا اور شام کے آخری وقت فضا میں جو زردی ہوتی ہے، وہ بھی ختم ہوگئی اور آفتاب بالکل ڈوب گیا۔ تو آپؐ عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

مُزْ دَلِفَہْ میں قیام و وقوف

یہاں پہنچ کر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھائیں، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپؐ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں۔

اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور لیٹے رہے یہاں تک کہ صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اس کے بعد آپؐ مشعر حرام کے پاس آئے، یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا۔ (مزدلفہ کے حدود میں اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عالی شان مسجد بنا دی گئی ہے) یہاں آ کر آپؐ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔ اس راستہ میں آپؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لیے سات عدد جمار کے لیے کنکر چنیں۔ انہوں نے پتھر کے ڈھیر سے کنکریاں چن لیں۔ چنانچہ آپ انہیں اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے اور فرمانے لگے! ''اس طرح رمی کرو اور دین میں غلو کرنے سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلے جنھوں نے دین میں غلو کیا وہ ہلاک ہو گئے''۔

آپؐ کا رمی فرمانا:

پھر طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپؐ منٰی کے لیے روانہ ہو گئے اور جمرۂ عقبیٰ پر پہنچے۔

آپؐ سواری پر تھے۔ وادی کی پچھلی جانب ٹھہرے (بائیں طرف کعبہ شریف، داہنی طرف منی اور سامنے جمرہ تھا) سات سنگریزے

اس پر پھینک کر مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے یہ سنگ ریزے خزف کے سنگ ریزوں کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپؐ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینکے۔

پھر رمی سے فارغ ہوکر آپؐ منیٰ واپس ہوئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں لوگوں کو قربانی کے دن کی حرمت وعظمت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی فضیلت سے آگاہ کیا اور تمام ممالک پر مکہ مکرمہ کی فضیلت بیان فرمائی اور کتاب اللہ کے مطابق حکم رانی کرنے والوں کی اطاعت کا حکم دیا، پھر ارشاد فرمایا کہ لوگو۔! آپؐ سے مناسک حج سیکھ لیں اور فرمایا کہ: شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں، اور لوگوں کو حکم دیا کہ آپؐ کے بعد مبتلائے کفر نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ ماریں۔ پھر اپنی طرف سے تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو مسئلہ پہنچایا جاتا ہے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ و بہتر فہم وفراست کے مالک ہوتے ہیں۔

نیز آپ نے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ: کوئی آدمی اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔ وہاں اس معجزے کا ظہور ہوا کہ ہر شخص نے آپؐ کی آواز سنی، یہاں تک کہ قرب وجوار میں جو لوگ اپنے گھروں میں تھے، انہوں نے بھی حضورؐ کا خطبہ سنا۔

قربانی:

پھر آپؐ قربانی کے لیے تشریف لے گئے۔قربان گاہ میں آپ نے تریسٹھ اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حوالے فرما دیئے۔ان سب کی قربانی انہوں نے کی اور آپؐ نے اُن کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے ایک پارچہ لے لیا جائے یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کر پکائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔

حَلْقِ رأس۔ (سرمنڈانا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مُزدلفہ سے) منیٰ میں تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہنچ کر اس کی رمی کی پھر آپؐ اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی۔ پھر آپؐ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سرمبارک کی داہنی جانب اس کے سامنے کی۔اس نے اس جانب کے بال مونڈے۔آپ نے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کیا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈ دو۔ اس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا۔تو آپؐ نے وہ بال بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا ان بالوں کو

لوگوں کے درمیان تقسیم کردو۔

طوافِ زیارت:

اپنی اونٹنی پرسوار ہوکر طوافِ زیارت کے لیے بیت اللہ کی طرف چلے، ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جاکر پڑھی، طواف سے فارغ ہوکر اپنے اہل خاندان، بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، جو لوگوں کو زم زم کا پانی پلا رہے تھے، آپؐ نے اُن سے فرمایا: ''اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے، تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول لے کر پانی کھینچتا''۔

ان لوگوں نے آپ کو آبِ زم زم کا ایک ڈول بھر کر دیا، آپؐ نے اس میں سے پانی پیا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں جابر بن عبداللہ کی مذکورہ بالا روایت، سب سے طویل روایت ہے۔ اِسے غور سے پڑھیئے۔ اور ذہن میں رکھیئے۔

حجِ بیت اللہ

حجِ بیت اللہ کو ارکانِ اسلام میں عظیم تر مقام حاصل ہے اس لیے کہ وہ تمام گوشے جو تنہا تنہا دوسری عبادتوں میں موجود تھے، اس فریضے کی ادائیگی میں نہ صرف یک جا ہو گئے ہیں بلکہ اپنے کمال تک جا پہنچے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اُن بتوں سے اپنی برأت اور بے زاری کا اعلان کیا جو انسانوں میں تفریق اور باہمی دشمنی کا باعث بنے ہوئے تھے، اور انسانوں کو خدا کی توحید کے پرچم تلے متحد ہو کر کام کرنے کی دعوت دی۔ تاکہ وہ اجتماعی صورت میں اپنے رُوحانی اور مادّی منافع حاصل کر سکیں، تو اس دعوت کے لیے اللہ نے اپنے گھر کو مخصوص مرکز بنایا اور اپنے جلیل القدر پیغمبر کو حکم دیا کہ:

> ''آپ دُنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دیجیے کہ وہ قریب و بعید سے چل کر یہاں آئیں اور اُس خدائے بزرگ و برتر کے آگے اپنی جبینیں خم کریں جو ایک ہے، جس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے''۔ [الحج (۲۲)، ۲۷]

آیت پاک کا سیاق وسباق واضح کرتا ہے کہ حج کا تعلق خاص طور پر توحید خالص سے ہے اور یہ کہ حج اللہ کے لیے، اس کی توحید کو نکھارنے کے لیے، تمام انسانوں کو، اُن کی بھلائی کے لیے ایک صف میں لا کھڑا کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔

حج :

انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ''قصد وارادہ'' کے ہے اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد وارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے۔ لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جا کر وہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی بنائی ہوئی مسجد ''خانہ کعبہ'' کے گرد چکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر مخصوص اعمال وآداب بجالانے کا نام ہے۔

انسانی تہذیب وتمدن کی تاریخ سے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ انسانی جماعت کی ابتدائی شکل، خاندان، اور خانوادہ کی صُورت میں تھی، اس سے آگے بڑھی تو چند خیموں اور جھونپڑیوں کی ایک مختصر سی آبادی بنی۔ پھر وہ شہر کی صورت میں منتقل ہوئی۔ اس سے ترقی کر کے اس نے ایک قوم اور ایک ملک کا قالب اختیار کیا، اور وہ بالآخر تمام دنیا پر چھا گئی۔

مکہ :

اس انسانی ترقی کے تمام مدارج اور مراتب کی ایک مربوط تاریخ ہے۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مرکز بنا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں وہ چند خیموں اور جھونپڑیوں کی مختصر سی آبادی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے عرب کے ایک مذہبی شہر کی جگہ حاصل کی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت ورسالت کے بعد وہ اسلامی دنیا کا دینی مرکز قرار پایا۔

بیت اللہ :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دستور تھا کہ جہاں کہیں ان کو رُوحانیت کا کوئی

جلوہ نظر آتا، وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کر کے خدا کا گھر، اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ توریت کی کتاب ''پیدائش'' میں اُن کی تین قربان گاہوں یا ''خدا کا گھر'' بنانے کے واقعات کا ذکر ہے۔

اسی قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بھی بنائے اور آخر کار حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی، جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہیں اور اللہ کا گھر بنانے کا دستور عام تھا، اور اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں کعبہ، مسجدِ حرام اور مسجدِ ابراہیمؑ کے نام سے آج تک قائم ہے اور جس کی نسبت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کا پہلا گھر ہے۔

اَن یاابراھیم،قدصدقت الرویا انا کذٰلکَ نجزی المحسنین،ان ھذا لھو البلاء المبین،وفدیناہُ بذبحٍ عظیم، [۳۷۔(صافات)،۱۰۴،۱۰۵]

[اور ہم نے ندا دی۔ کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی، اور ہم نے فدیہ میں ایک بڑی قربانی دے کر اِس بچے کو بچا لیا۔]۔ (۳۷/۱۰۴،۱۰۵)

اُس وقت ابراہیمؑ کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر، بیٹے کو اللہ کے گھر کی خدمت اور توحید کی دعوت کے لیے مخصوص کر دینا، اور اُس کے ذریعے اِس گھر کو اللہ کی زمین پر، اللہ کی بندگی کا مرکز بنانا ہے۔

واذ بوأنا لابراھیم مکان البیتِ اَنَ لاتشرک بی شیاءِ و

طھر بیتی للطآئفین والقآئمین والرکع السجود۔

[۲۲۔(حج)،۲۶]

(اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ کوٹھکانہ بنایا، کہ کسی کو میرا ساجھی نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف، قیام اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو)[۲۲۔(حج)،۲۶]

واذقال ابراھیم رب اجعل ھٰذا البلد اٰمناً واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام۔[ابراہیم(۱۴)،۳۵]

(اور یاد کرو، جب ابراہیم نے یہ دعا کی۔اے میرے پروردگار اس شہٰر کو امن والا بنا، اور مجھ کو، اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔میرے پروردگار، اِن بُتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے)۔

[ابراہیم(۱۴)،۳۵]

اِن قرآنی آیات میں وضاحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم خلیلؑ اللہ کو بُت پرست اور ستارہ پرست قوموں اور ملکوں سے ہٹا کر جن میں وہ پریشان وسرگرداں پھر رہے تھے، اور امن وسلامتی کے ایک سنسان مقام کی تلاش میں تھے، تاکہ اس میں خدائے واحد کی پرستش کے لیے ایک گھر بنائیں، یہ ٹھکانہ عطا کیا، جوازل سے اس کام کے لیے منتخب تھا۔تاکہ وہ یہاں خدا کے گھر کی چہار دیواری کھڑی کریں، اور پھر اُس کو توحید کا مرکز اور عبادت گزاروں کا مسکن بنائیں۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ اِس گھر، اور اِس مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی یادگاریں، اور نشانیاں ہیں، اُن کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور قربانی کا مقام ہے، اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ قریب وبعید سے یہاں

آئیں اور دینی و دُنیاوی فائدے حاصل کریں، اِس قدیم خانۂ خدا کا طواف کریں، اسماعیل علیہ السلام کی یادگار میں قربانی کر کے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں، اپنی نذریں پُوری کریں، یہاں پہنچ کر وہ امن وسلامتی کے مجسم پیکر ہوں، نہ کسی پر ہتھیار اٹھائیں، نہ کسی کو تکلیف پہنچائیں، حتیٰ کہ ایک معمولی اور حقیر جانور تک کو مارنے کا ارادہ نہ کریں، ظاہری زیبائش و آرائش، راحت و آرام، اور پُرتکلف مصنوعی زندگی سے یکسر پاک ہوں، اور چند روز یہاں ابراہیمی یادگاروں پر ٹھہر ٹھہر کر ابراہیمی زندگی بسر کر کے، ابراہیمی طریقے پر خدا کو یاد کریں۔

عمرہ

تعریف ۔ احکام ومسائل ، باہمی فرق

لغت میں عمرہ کے معنیٰ ''زیارت'' کے ہیں ۔یعنی ملنا، حاضری دینا۔ جب کوئی شخص ،کسی سے ملتا ہے تو کہتا ہے''اَعْمِرُہٗ''۔یعنی میں اُس کی زیارت کرتا ہوں ، اُس سے ملتا ہوں ۔شریعت کی اصطلاح میں میقات یاحِلّ سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کرنا ،صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ۔

زندگی میں ایک بار(قدرت وگنجائش ہونے کی صورت میں) عمرہ کرنا امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ،سنتِ مؤکدہ ہے ۔امام شافعی کے نزدیک حج کی طرح فرض ہے ۔

ذی الحجہ کی نو تاریخ سے تیرہ (۹۔۱۳) تاریخ تک عمرہ ادانہیں کیا جاسکتا ۔ یہ اَیامِ حج ہیں ۔ان پانچ دنوں کے علاوہ ،سال کے باقی تمام دنوں (اورمہینوں) میں جب چاہو عمرہ ادا کرسکتے ہو۔رمضان میں عمرہ کرنے کا زیادہ ثواب ہے ۔

مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ حج اور عمرہ میں کیا فرق ہے ۔؟

سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ حج ،فرض ہونے کی شرائط معین ہیں ،ان کے پائے جانے کی صورت میں فرض ہوتا ہے ،عمرہ میں گنجائش اورقدرت کی بات ہے ۔حج ،زندگی میں صرف ایک بارفرض ہوتا ہے ۔خواہ فرضیتِ حج کی

شرائط کسی میں طویل عرصے تک یا زندگی بھر پائی جاتی رہیں، شرائط پائے جانے کے بعد ایک بار حج کرلیا تو فرض سے سبکدوش ہوگیا۔ اس کے بعد اگر مزید حج کرے گا تو وہ ''حج نفل'' ہوگا اور مزید اجر وثواب کا ذریعہ بنے گا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ حج کے دن معین ہیں، اُن مخصوص دنوں کے علاوہ، سال کے باقی دنوں میں حج ادا نہیں کیا جاسکتا۔ عمرہ کا کوئی وقت اور مہینہ معین نہیں ہے۔ ۹۔۱۳ ذی الحجہ کے علاوہ، سال کے باقی تمام دنوں میں عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

عمرہ میں احرام، شرط ہے۔ طواف، فرض ہے۔ اور احرام رکن ہے۔ سعی بین الصفا والمروہ، واجب ہے۔

عمرہ کے اعمال بہت مختصر ہیں۔ احرام، اس کے بعد بیت اللہ کا طواف، طواف کے بعد، سعی بین الصفا والمروہ، سعی کے بعد سر کے بال منڈوا کر یا کٹوا کر احرام کھول دیا جاتا ہے۔ اس میں نہ وقوفِ عرفات، نہ وقوفِ مزدلفہ، نہ رمیِ جمار، نہ جمع بین الصلاتین، نہ طوافِ قدوم نہ طوافِ وَداع۔

عمرہ میں طواف کرتے وقت تلبیہ پڑھنا بند ہو جاتا ہے۔

اِصطلاحات

الف

اِبَاحَۃ: کسی کام کے درمیان کرنے اور نہ کرنے کے اختیار کو ''اِباحۃ'' کہتے ہیں۔ اور وہ فعل اور عمل، جس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے، وہ ''مُبَاح'' کہلاتا ہے۔

اِتجار: خرید وفروخت، مختلف اشیاء کی تجارت، خواہ وہ نقد ہو۔ مال کے بدل مال، حج اور عمرہ کے لیے جانے والے بعض نیک اور خدا ترس لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ، حج اور عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ میں آئیں، اُن کے لیے تجارت منع ہے۔ اُن کے اِس خیال کی تردید واصلاح کے لیے آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: **لَیْسَ علیکم جُناح اَنْ تبتغوا فَضْلًا مِنْ ربکم** (۲/ ۱۹۸) [تمہارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ حج کے دنوں میں اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔]

تمام مفسرین کے نزدیک ''فضل'' سے خرید وفروخت مراد ہے۔ خرید وفروخت کو حرج سے اس لیے تعبیر کیا کہ کاروبار میں عام طور پر لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اپنا اچھا بُرا مال فروخت کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ پسندیدہ بھی اور ناپسندیدہ بھی۔ وہاں اللہ نے یہ حکم دیا: **فلا رفث ولا فسوق ولا**

جدال فی الحج ''(۲/ ۱۹۷)۔[دوران حج بے ہودہ گفتگو، اللہ کے حکموں کی نافرمانی اور لڑائی جھگڑا، سب منع ہیں]اور تجارت میں عموماً یہ ساری باتیں ہوتی ہیں، تاجر کی نظر صرف اپنا سودا بیچنے پر ہوتی ہے۔

حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے جب محدود پیمانے پر، ضرورت کے مطابق تجارت کی اجازت دے دی گئی، تو بدکلامی، نافرمانی اور لڑائی جھگڑے کی ممانعت زیادہ شدید ہوگی۔

جو شخص، حج کے لیے جاتا ہے مگر اصل مقصد اس کا وہاں تجارت کرنا اور مالی فائدہ اٹھانا ہے، وہ گنہ گار ہے۔ البتہ جو حج کے ارادے سے جاتا ہے لیکن ضرورت کے مطابق کاروبار بھی کر لیتا ہے مگر دل میں خوفِ خدا رکھتا ہے، اور اللہ نے وہاں تجارت کی جو شرطیں بیان کی ہیں، اُن کی پاسداری کرتا ہے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: ''تجارت کرنے والے، قیامت کے دن نافرمانوں کے گروہ میں ہوں گے مگر وہ تاجر، جن کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا''۔ اور انہوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے حکموں کے مطابق کاروبار کیا۔

أثم'': خطاء، جرم، گناہ، ہر وہ عمل جس میں نقصان ہو، ایسا کام جو جائز نہ ہو اور جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہو۔ ایسے افعال کا نام جو ثواب کو ختم کر دیں۔

اِحرام: لغت میں اِحرام کے معنٰی کسی چیز کو حرام کر لینے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں حج اور عمرہ میں شامل ہونے کی نیت کو ''اِحرام'' کہتے ہیں۔

شریعت نے تمام اعمال کا مدار نیت پر رکھا ہے اور نیت کا اظہار عمل کے بغیر ممکن نہیں۔ نماز کے لیے تکبیر اسی نیت کا اعلان ہے، اِحرام بھی حج کی تکبیر ہے۔ احرام باندھنے سے انسان اپنی معمولی زندگی سے نکل کر ایک خاص حالت میں آ جاتا ہے، اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، جو دنیاوی راحت و آسائش اور زیب و زینت کا ذریعہ تھیں۔ یہ عہدِ ابراہیمی کے لباس کی تمثیل ہے، جو اُس وقت کے لیے پسند کیا گیا، تاکہ اس مبارک عہد کی کیفیت ہماری ظاہری شکل وصورت سے بھی ظاہر ہو، گویا یہ خالقِ ارض وسما کے دربار میں حاضری کی وادی ہے، جو بالکل سادہ، بے تکلف اور زیب و زینت سے خالی ہے۔

احرام باندھتے وقت حاجی کو یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کرنے چاہئیں:

لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک، والملک لاشریک لک۔

(اللہ، میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیرے بلاوے پر حاضر ہوں، تیرے ہی لیے تمام تعریف ہے اور تیری ہی نعمت ہے، ملک تیرا ہی ہے۔ کسی چیز میں تیرا کوئی ساجھی نہیں)

احرام باندھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ حجامت بنا کو غسل کیا جائے (غسل کے لیے پانی نہ ملے تو وضو پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے) جسم پر خوشبو لگائی جائے (احرام پر نہیں) اس کے بعد دو رکعت نفل احرام باندھنے کی نیت سے پڑھے جائیں۔ اس دوران کسی بے سلے کپڑے سے سَر کو ڈھانکا جاسکتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد باقاعدہ احرام کی نیت کی جائے، یہ نیت دل میں بھی کی جاسکتی ہے اور زبان سے بھی، اور زبان سے وائیگی کے لیے یہ کلمات ہیں۔

صِرف حج کی نیّت ہو تو کہے:

اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی

[اے اللہ میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں، اسے میرے لیے آسان بنا دیجیے اور اسے شرفِ قبولیت بخشیے]

صرف عمرہ کی نیّت مقصود ہو تو یہ کلمات یُوں ہو جائیں گے:

اللھم انی ارید العمرۃ فیسر ھالی وتقبلھا منی

حج اور عُمرہ دونوں کی نیت ہو تو کہا جائے گا:

اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسر ھمالی وتقبلھمامنی

بعد ازاں بلند آواز سے تین مرتبہ **لبیک اللھم لبیک** والا تلبیہ پڑھا جائے، اور درود شریف پڑھ کر جو دعا دل میں آئے مانگے، کہ یہ خاص قبولیتِ دُعا کا موقع ہے۔

حج کے اعمال میں اِحرام، تکبیر تحریمہ کی طرح ہے، جس طرح

تکبیرِ تحریمہ کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے، اور ارکانِ نماز کے علاوہ، تمام چیزیں اس پر حرام ہو جاتی ہیں، اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، جو احرام سے پہلے جائز اور حلال تھیں۔

احرام کہاں سے باندھا جائے؟

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں بیت اللہ کی جگہ کو عزت وشرف کے لیے مخصوص فرمایا اور اس پر اپنا گھر تعمیر کرایا جو دنیا میں سب سے زیادہ معظم ومحترم ہے۔ اس کی تعظیم وتکریم کے اظہار کے لیے اس کے گرداگرد کئی حلقے قائم کیے اور ہر ایک حلقے کے کچھ احکام و آداب مقرر کیے۔

بیت اللہ سے متصل، سب سے پہلا حلقہ مسجدِ حرام کا ہے، جس کے اندر بیت اللہ واقع ہے۔ یہاں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر بتایا گیا۔ بیت اللہ کا طواف مسجد کے اندر ہوتا ہے، اگر کوئی مسجدِ حرام سے باہر طواف کرے تو طواف ادا نہیں ہوگا۔

دوسرا حلقہ، پہلے حلقے سے قدرے وسیع ہے۔ یہ حلقہ شہر مکہ ہے، اس کے بھی کچھ خاص آداب واحکام ہیں۔ مثلاً: شہر مکہ بھی مسجدِ حرام کی طرح پناہ گاہ ہے، کوئی شخص حرم سے باہر جرم کر کے مکہ میں داخل ہو گیا تو اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں۔ اس کے درختوں اور عام گھاس کا کاٹنا بھی جائز

نہیں۔

تیسرا بڑا حلقہ حرم کا ہے، جو پہلے دونوں حلقوں پر مشتمل ہے، حرم کے حدود مکہ کے چاروں طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے معین ومحدود ہیں۔

چوتھا حلقہ ان سب سے وسیع تر ہے، جس میں یہ تینوں حلقے شامل ہیں، وہ حدودِ مواقیت ہیں۔ مواقیت، میقات کی جمع ہے۔ حرم کے تمام اطراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مقامات متعین فرما دیئے تھے جہاں سے مکہ مکرمہ میں آنے والوں پر لازم کیا گیا کہ بغیر احرام کے آگے نہ بڑھیں۔ احرام خواہ حج کا ہو یا عُمرہ کا، ان مقامات میں سے ہر ایک کو ''میقات'' کہتے ہیں۔ اور مواقیت کے پُوری حلقے کو فقہاء کی زبان میں ''حِل'' کہا جاتا ہے اور اس حلقے سے باہر تمام علاقے کو ''آفاق'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

پہلے حلقے کا اصطلاحی نام ''مسجد حرام'' ہے۔ دُوسرے کو ''مکّہ مکرمہ'' کہا جاتا ہے، تیسرے کو ''حرم'' سے تعبیر کرتے ہیں اور چوتھا حلقہ جو حدودِ مواقیت کے اندر مگر حدودِ حرم سے باہر ہے ''حِل'' کہلاتا ہے اور حدودِ مواقیت سے باہر سارا عالم، آفاق ہے۔

نبی علیہ السلام نے خود اپنی زبانِ مبارک سے اس امر کی تعیین فرمائی ہے کہ کس علاقے کے لوگ کہاں سے احرام باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے

فرمایا:

''اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرنُ المنازل اور اہلِ یمن کے لیے یلملم میقات ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے چار میقات، یعنی چار ایسے مقامات معین فرمائے جہاں سے باہر کے آنے والے لوگ احرام باندھیں گے۔

فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور دو نئے شہر، کوفہ اور بصرہ بسائے گئے تو وہاں کے لوگوں نے یہ عرض کیا کہ:

''حضور علیہ السلام نے اہلِ نجد کے لیے قرنُ المنازل کو میقات مقرر فرمایا ہے، وہ ہمارے راستے سے بہت دُور ہے، اس راستے کو اختیار کرنا اور وہاں سے احرام باندھنا ہمارے لیے بہت دشوار ہے''۔

اس پر حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا۔ گویا یہ پانچواں میقات ہوا۔

کس علاقے اور کس ملک کے حاجی کہاں سے احرام باندھیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے، میں فقہاء اور علماء کے تحقیقی مباحث کا خلاصہ کرتے ہوئے اپنے ملک کے حجاج کی علمی اور عملی راہنمائی کی خاطر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان سے جانے والے حجاج کہاں سے احرام باندھیں، اور ہم نے سفر کے جو جدید اور ترقی یافتہ ذرائع اختیار کر لیے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے مختلف ذرائع

اور راستوں سے سفر کرنے والے حجاج کے لیے احرام باندھنے کی صورتِ حال کیا ہوگی؟

آج کل پاکستان، ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک سے جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں، عموماً دو راستوں سے جاتے ہیں۔ بحری اور ہوائی، ہوائی جہازوں کا راستہ عام طور پر ایسا ہے، کہ ہوائی جہاز قَرْنُ المنازل اور ذاتِ عرق دونوں میقاتوں کے اُوپر سے گزرتے ہوئے حِل میں داخل ہو جاتے ہیں، اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لیے ہوائی سفر میں قَرْنُ المنازل کے اُوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا واجب ہے، اور ہوائی جہاز میں صحیح طور پر اس کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے کہ یہ جہاز کب اور کس وقت قَرْنُ المنازل کے اُوپر سے گزرے گا، اس لیے پاک و ہند کے حجاج کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ ہوائی جہاز میں سوار ہوتے وقت ہی احرام باندھ لیں، اگر احرام باندھے بغیر ہوائی جہاز میں سوار ہو گئے اور جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دَم، یعنی ایک بکرے کی قربانی لازم ہوگی، اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا۔

اِحْرَامِ خواتین:

عورت کا اِحرام، اُس کے اپنے کپڑے ہیں، جو وہ روزمرہ پہنتی ہے۔ مردوں کو سِلے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہیں، لیکن عورتیں اپنے عام کپڑوں ہی میں احرام کی نیت کریں۔ عورت کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا منع ہے، اتنی پست آواز سے تلبیہ

کہے کہ خود ہی سُن سکے۔

عورت کو سر ڈھانپنا واجب ہے لیکن مُنہ پر کپڑا لگانا منع ہے۔

عورت احرام میں مُنہ کھُلا رکھے۔ اگر پردے کی خاطر مُنہ چھپانا چاہے تو اس طرح چھپائے کہ کپڑا مُنہ سے نہ لگے، بلکہ الگ رہے۔

عورت کو طواف میں رَمَل، اور اِضطَباع نہیں کرنا چاہیے، اور نہ میلین اَخضَرینْ کے درمیان دوڑنا چاہیے۔ دُور سے اِستلام کرے، طواف کے بعد اگر مقامِ ابراہیم پر ہجوم زیادہ ہو تو وہاں دو رکعت نفل بھی نہ پڑھے، بلکہ ذرا الگ ہو کر ادا کرے۔

اگر عورت کو احرام سے پہلے حیض آجائے تو غسل کر کے احرام باندھ لے اور سب افعال ادا کرے مگر سعی اور طواف نہ کرے۔ کیوں کہ طواف مسجد میں ہوتا ہے، اور مسجد میں حائضہ عورت کو جانا منع ہے۔ حج کا سب سے بڑا رُکن وقوفِ عرفات ہے، اور اس میں حائضہ عورت شامل ہوسکتی ہے، اس کے بعد طوافِ زیارت ہے، اگر اس وقت تک حائضہ ہے تو اُسے چاہیے کہ انتظار کرے، اگر اس انتظار میں طوافِ زیارت کا وقت گُزر جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر عورت طوافِ وَدَاع کے وقت حائضہ ہوگئی اور روانگی ضروری ہے تو طوافِ وداع کی ضرورت نہیں اور اگر ٹھہری رہی تو بہتر یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد طوافِ وَدَاع کرے۔

احرام کھولتے وقت عورت کو سارے بال منڈوانا حرام ہے،

چوٹی پکڑ کر صرف انگشت برابر بال کاٹ دینا کافی ہے۔

عورت کے احرام کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر وضاحت کے قابل ہے کہ بعض عورتیں سر پر کوئی کپڑا یا پٹی باندھ لیتی ہیں اور اُسے اِحرام سمجھتی ہیں، یہ اِحرام نہیں یہ تو صرف بالوں کی حفاظت کے لیے ہے کہ دوپٹے سے بال ٹوٹنے نہ پائیں، بعض عورتیں وضو کرتے وقت بھی اسی پٹی پر مسح کر لیتی ہیں، جو غلط ہے۔

احرام کی حالت میں عورت اپنے محرم کے سامنے سر سے کپڑا ہٹا لے تو اس میں حرج نہیں۔ سر ڈھانپنا اِحرام کی شرط نہیں، وہ ستر کے لیے ہے جو نامحرم کے سامنے ضروری ہے، اور اس کا حکم شریعت میں الگ موجود ہے۔

اِحْصَار: اِحْصَار اور حَصْر کے معنٰی لغت میں منع کرنے اور قید کرنے کے ہیں، جسے روکا گیا ہو یا کسی کام کے کرنے سے منع کر دیا گیا ہو، اُسے ''مُحْصَر'' کہتے ہیں۔ شریعت کی زبان میں، حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت، دونوں رکنوں سے کسی شرعی عذر کی وجہ سے رک جانا، ''اِحْصَار'' کہلاتا ہے، اور ایسے شخص کو ''محصر'' کہتے ہیں۔

عمرہ کے احرام میں طوافِ بیت اللہ سے روک دیئے جانے والے کو ''محصر'' کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ احصار، بیماری کی وجہ سے ہو، کسی حادثے کی وجہ سے ہو یا دشمن کے ہاتھوں پکڑے

جانے کی وجہ سے یا قید ہو جانے کی وجہ سے ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ احصار کا حکم صرف اس مُحرِم پر نافذ ہوگا جو دشمن کی گرفت میں آ گیا ہو۔ گویا ان دونوں آئمہ کے نزدیک صرف دشمن کی قید ''احصار'' کہلائے گی۔

جو محرم، محصور (مُحْصَر) ہو جائے، اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ جس جگہ محصور ہوا ہے، وہیں اپنا احرام کھول دے، اگر اس کے ساتھ ہدی ہے تو اُسے ذبح کر دے، سر کے بال منڈوالے یا کٹوالے۔ اس کے بعد اس کے لیے وہ تمام افعال جائز ہو جائیں گے جو احرام کی وجہ سے ممنوع ہو گئے تھے۔

مُحْصَرْ، فرض حج کی قضا کرے گا۔ اگر نفل حج ہے تو اس کی قضا واجب نہیں۔

اِحْلَال: حلال ہو جانا، شریعت کی اصطلاح میں حالتِ احرام سے نکل جانا۔

اَدَاء: آدمی پر جس کام کا کرنا فرض ہے، اس کو وقت پر پورا کر دینا اور بجالانا، ''اَدَاء'' کہلاتا ہے۔

اَرْکَانْ: رُکن کی جمع ہے، کسی مکمل چیز کے ایک حصے اور جزو کو ''رکن'' کہتے ہیں۔ کسی چیز کی ایک جانب کو بھی رکن کہا جاتا

ہے۔کسی چیز کے ایسے حصے کو بھی رکن کہتے ہیں کہ اگر وہ حصہ نہ رہے تو اس چیز کا وجود بھی ختم ہو جائے۔

ارکانِ حج: امام ابوحنیفہ کے نزدیک، حج کے دو رکن ہیں۔

۱۔وقوفِ عرفات، ۲: طوافِ زیارت۔ سعی بین الصفا والمروہ، واجب ہے۔رکن نہیں ہے۔اور احرام، ان کے نزدیک شرط ہے، رکن نہیں ہے۔

غیر حنفی فقہاء کے نزدیک، حج کے چار ارکان ہیں۔ ۱: احرام، ۲: طوافِ زیارت، جسے طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔ ۳: سعی بین الصفا والمروہ، ۴: وقوفِ عرفات، اور یہ سب سے اہم رکن ہے۔

شافعی فقہاء، مزید دو ارکان کا اضافہ کرتے ہیں۔

۱: سر کے بال کٹوانا، خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، ۲: پانچ ارکان کو بالترتیب ادا کرنا۔یعنی احرام، طوافِ بیت اللہ سعی بین الصفا والمروہ، وقوفِ عرفات، حلقِ رأس یا قصرِ رأس۔

اَرکانِ عمرہ: فقہائے احناف کے نزدیک، عمرہ کا صرف ایک رکن ہے، وہ طوافِ کعبہ کے چار ابتدائی چکر ہیں۔باقی تین چکر واجب ہیں۔ احرام، شرط ہے، سعی بین الصفا والمروہ اور حلقِ رأس یا قصرِ رأس، واجب ہیں۔

مالکی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک، عمرہ کے ارکان، تین ہیں۔

۱: احرام، ۲: طوافِ بیت اللہ، ۳: سعی بین الصفا والمروہ

شافعی فقہاء کے نزدیک عمرہ کے پانچ ارکان ہیں:
۴: حلقِ راْس یا قصرِ راْس، ۵: ترتیب۔

اِزَارُ: ایسا کپڑا جو جسم کو ڈھانپ لے۔یعنی تہبند۔لنگی۔بعض نے کہا: ایسا کپڑا جو جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپ لے۔

اِسْتَحِاضَہ: خواتین کے جو ایام حیض متعین ہیں، اُن ایام کے علاوہ باقی دنوں میں جو خون آئے گا، اسے ''استحاضہ'' کہتے ہیں اور ایسی عورت کو شریعت کی اصطلاح میں ''مُستحاضہ'' کہا جاتا ہے۔

حج اور عمرہ کی ادائیگی کے دوران اس کا حکم یہ ہے کہ وہ تمام مناسک ادا کرے۔لیکن اس کے لیے ایسا اہتمام کرنا ضروری ہے کہ جسم اور کپڑوں پر خون نہ لگے۔اُسے ہر نماز اور ہر طواف کے لیے نیا وضو کرنا ہوگا۔ایک وضو سے دو نمازیں ادا نہیں کر سکے گی۔جیسے عام حالات میں اجازت ہے۔اور نہ ایک وضو سے نماز اور طواف، دونوں ادا کرے گی۔

اِسْتِطَاعَة: مالی اور جسمانی قدرت، قرآنِ حکیم میں ہے:

وللہ علیٰ الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا''۔

[اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی قدرت

رکھتا ہے، وہ اس کا ارادہ (زیارت) کرے]۔

''استطاعت'' کی تشریح یوں بھی کر سکتے ہیں کہ: ان چیزوں کا بتمام وکمال پایا جانا جن کی وجہ سے فعل سرزد ہو سکے، اور ذمہ داری کو پورا کیا جا سکے۔

استطاعت، حج اور عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لیے بنیادی شرط ہے۔ وجوبِ حج کی دوسری شرائط کے باوجود۔ یعنی اسلام، بلوغت، عقل۔ اگر مالی یا جسمانی قدرت نہیں تو حج فرض نہیں ہوگا۔ اس پر تمام فقہی مسالک کا اتفاق ہے۔

اِسْتِغْفَارُ: بندہ کا اللہ سے معافی طلب کرنا۔ اپنے گناہوں اور خطاؤں کے عفوودرگزر کی درخواست کرنا۔ حج اور عمرہ ادا کرنے والے کے لیے بہتر ہے کہ اپنے مالک وخالق سے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی زیادہ سے زیادہ معافی مانگے۔ مناسکِ حج وعمرہ کی ادائیگی کے دوران اللہ، رحیم وکریم سے عفوودرگزر کا طلب گار رہے۔ وہ وقت اور مقام، اللہ کی رحمتوں کے نزول کا ہے۔ اللہ، اپنے بندوں کی درخواستیں قبول کرنے والا ہے۔

اِسْتِلَامُ: حجرِ اسود کو بوسہ دینا، یا ہاتھ سے چھونا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا تھا اور اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا۔

استلام، طوافِ کعبہ کے دوران نہ فرض ہے، نہ رکن، اور نہ

طوافِ بیت اللہ کے صحیح ہونے کی شرط ۔ نبی علیہ السلام کی سنت ہے ۔ طوافِ کعبہ کے دوران، طواف کرنے والے کے لیے اگر اس کو بوسہ دینا یا ہاتھ سے چھونا ممکن ہو تو باعثِ برکت ہے ۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو چومنا اور چھونا منع ہے ۔ ہاتھ سے اشارہ کر دینا کافی ہے ۔

اِسلام: لغت کی رو سے ''اسلام'' کے معنٰی اطاعت اور فرماں برداری ہیں ۔ بالفاظ دیگر اپنے آپ کو کسی کے حوالے اور سپرد کر دینا، ''اسلام'' کہلاتا ہے ۔

شریعت کی اصطلاح میں نبیِ برحق کے بتانے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننا، اور ان کی فرماں برداری کرنا، اسلام ہے ۔ اپنی رائے اور خیال کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنا، شریعت کی نظر میں اسلام نہیں کہلائے گا ۔

اللہ کے حکموں کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ تکوینی ۔ ۲۔ تشریعی

تکوینی احکام:

اُن حکموں کو کہتے ہیں جن کے مطابق چارو ناچار عمل کرنا ہی پڑتا ہے، ان کی خلاف ورزی ممکن نہیں ہوتی ۔ مثال کے طور پر سورج کو لیجیے ۔ اس کو، اس کے خالق و مالک کا حکم ہے کہ ایک مقررہ وقت پر نکلے، مقررہ راستے پر اپنا سفر طے کرے، اور مقررہ جگہ پر غروب ہو، سورج کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ اپنے مالک و خالق کے حکموں سے ذرّہ برابر انحراف کرے ۔، انسان کو حکم ہے

کہ زبان سے بولے، کان سے سنے، ناک سے سونگھے، اگر کوئی شخص چاہے کہ ناک سے دیکھے، کان سے سونگھے، اور آنکھ سے سنے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں۔ اس طرح کے قوانین، اور احکام کو ''تکوینی احکام، قوانینِ قدرت، اور قوانینِ طبیعی بھی کہتے ہیں۔

تشریعی احکام:

اللہ تعالیٰ کے اُن حکموں کو کہتے ہیں جن کے بجالانے پر مخلوق، پیدائشی طور پر مجبور نہیں ہوتی۔ مخلوق کو اُن پر عمل کرنے کا بھی اختیار رہوتا ہے، اور عمل نہ کرنے کا بھی۔ مثلاً انسان کو حکم ہے کہ وہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانے، اُسی کے آگے سر جھکائے، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو سچا جانے اور ان کی پیروی کرے۔ لیکن وہ ایسا کرنے پر پیدائشی طور پر مجبور نہیں ہے۔ ایسے احکام کو ''شرعی قوانین'' یا تشریعی احکام، کہتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے احکام کیوں کہ اللہ کے احکام ہیں، اس لیے ان کی پیروی ''اسلام'' ہوگی۔

پھر کیوں کہ جمادات سے لے کر، انسانوں اور فرشتوں تک، کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اپنے خالق کی محکوم نہ ہو، اور جسے تکوینی یا تشریعی کسی قسم کے احکام نہ دیئے گئے ہوں۔ اس لیے اسلام، اور ''مسلم'' ہونے کی بات صرف انسان تک محدود نہیں رہتی بلکہ پوری کائنات پر پھیل جاتی ہے۔ اور ''اسلام'' کسی ایک مخصوص مخلوق کا دین نہیں، ساری مخلوقات کا دین قرار پاتا ہے۔

یہ کہنا بے ارادہ، اور بے اختیار مخلوق کا دین بھی ''اسلام'' ہی ہے۔ اور وہ بھی سب کے سب ''مسلم'' ہیں، صرف عقل اور قیاس کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اس کی اصل خود قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اور وہی اس کی کھلی دلیل پیش کرتا ہے:

افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السمٰوات والارض۔ (۸۳،۳)

[کیا یہ (منکرینِ حق) اللہ کے دین کے علاوہ، کسی اور دین کے طلب گار ہیں، جبکہ وہ تمام کے تمام اسی کے ''مسلم'' (فرماں بردار) ہیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔]

اِس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام بے ارادۂ اور بے اختیار مخلوقات کا دین بھی ''اسلام'' ہی ہے۔ لیکن اُنھیں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ تکوینی ہیں۔ اس لیے ان کے اسلام کی نوعیت بھی تکوینی یا ''پیدائشی اسلام'' کی ہوگی، اور ان کو تکوینی یا پیدائشی مسلم، کہا جائے گا۔

تشریعی، یا اصطلاحی اسلام:

رہا اُن مخلوقات کا معاملہ جنھیں ارادہ اور اختیار کی آزادی عطا کی گئی ہے۔ اُن کی فطری اور طبعی صورتِ حال یہ ہے کہ وہ بعض باتوں میں پہلی مخلوقات کی طرح مجبور و بے اختیار ہیں، اور بعض معاملات میں اُنھیں اختیار ہے، وہ اُن معاملات میں جو طرزِ عمل چاہیں، اختیار کر سکتی ہیں۔ جیسے انسان کے لیے دو قسم کے قوانین ہیں۔ تکوینی بھی، اور تشریعی بھی۔ وہ آنکھ سے دیکھنے، کان سے

سننے، زبان سے بولنے اور چکھنے کے لیے مجبور ہے۔اس نظام و ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا، لیکن دوسری قسم کے قوانین، یعنی تشریعی احکام میں وہ مجبور نہیں ہے۔وہ چاہتا ہے تو اُن پر عمل کرتا ہے،اور چاہتا ہے تو عمل نہیں کرتا، اِس لیے اُن کے اسلام کو ''تشریعی اسلام'' کہنا چاہیے۔لیکن شریعت کی زبان میں تشریعی احکام کے لیے تشریعی یا اختیاری احکام کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے صرف ''احکامِ الٰہی'' اور ''اسلام'' کو کافی سمجھا گیا ہے۔

اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ تشریعی احکام کو مانیں، اور ان کی پیروی کریں، صرف اُنہی کو ''مسلم'' کہا جائے۔

اسلام اور انسان:

جیسا کہ کہا گیا کہ جن مخلوقات کو ارادہ اور اختیار کی دولت و قدرت عطا کی گئی، ان میں ایک انسان بھی ہے۔ بلکہ دوسری بااختیار مخلوقات میں ممتاز و برتر حیثیت کا حامل ہے۔اس لیے اُسے تشریعی احکام بھی دیئے گئے ہیں۔قرآن کی وضاحت ہے کہ جس وقت پہلا انسان اِس دنیا میں بسایا گیا، اُسی وقت یہ اعلان کیا گیا: (ترجمہ):

[پس اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی اس کی پیروی کرے گا، اس کے لیے اندیشہ کی کوئی بات نہیں، اور وہ غمگین نہ ہوں گے۔اور جو لوگ انکار کی راہ اپنائیں گے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، وہ دوزخ والے ہوں گے]۔

(البقرہ/ ۳۹)

اِس قرآنی ارشاد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین پر انسان کی آبادی، اور تشریعی احکام کی آمد۔ دونوں بیک وقت شروع ہوئیں۔ اس وقت سے آج تک یہ دنیا، دین وشریعت سے کبھی خالی نہیں رہی۔ اور کسی قوم کو ہدایت سے محروم، اور بے خبر نہیں رکھا گیا:

وان من امة الاخلا فیھا نذیر [الفاطر،۲۴]

[اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو]۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسول آئے سب کا دین 'اسلام' تھا، اللہ نے ان پر جو صحیفے اتارے، اور ان کو جو شریعتیں عطا کیں، ان کے ماننے والے سبھی ''مسلم'' تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

ولکن کان حنیفاً مسلما (۳/ ۶۷)

[بلکہ وہ ایسا مسلم تھا جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کے لیے یکسو ہو چکا تھا]۔

حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے متعلق یہی کہا گیا:

اس حقیقت کی روشنی میں ہر آسمانی دین کو ''اسلام''، اور ہر نبی کے پیروکاروں کو ''مسلم'' کہنا چاہیے۔ لیکن صورتِ حال اس طرح نہیں ہے، بلکہ قرآن نے اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو 'اسلام' اور ان کے ماننے

والوں کو 'مسلمان' اور ''امتِ مسلمہ'' کہا۔اس تخصیص اور امتیاز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ پچھلی اُمتوں میں جو اسلام لانے والے گزرے ہیں، اسلام اُن کا لقب نہ تھا۔صرف صفت تھی۔ یہ لقب صرف اُمتِ محمدؐیہ ہی کو عطا کیا گیا۔اور بطورِ خاص اُمتِ محمدیہ کو ''اُمتِ مسلمہ'' کہا گیا۔قرآن حکیم خود اس کی شہادت مہیا کرتا ہے۔

ان الدین عنداللہ الاسلام (۳/۱۹)

[تحقیق، اللہ کے نزدیک پسندیدہ' اور مقبول دین ''اسلام'' (ہی) ہے۔]

ھوسماکم المسلمین من قبل وفی ھذا

(۲۲/۷۸)

[اسی نے تمہارا نام پہلے ہی سے، اور اسی امر کے پیشِ نظر ''مسلم'' رکھا ہے]

اس امتیاز، اور تخصیص کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ: اگرچہ معنوی حیثیت سے اللہ کے سارے دین، اسلام ہی تھے۔اور ان ادیان کو ماننے والے ''مسلمان'' تھے۔مگر وہ دین، جو قرآن کی صورت میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے آیا، بجا طور پر وہی اس بات کا مستحق تھا کہ اس کا نام 'اسلام' ہو۔اور اس کے ماننے والوں کو مسلمان، اور ''امت مسلمہ'' کہا جائے۔

آدم علیہ السلام کی بعثت سے جس الٰہی نعمت و ہدایت کا نزول

شروع ہوا تھا، اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی شریعت، اللہ کی ہدایات اور نعمتوں کا نقطۂ کمال ہے۔ اس لیے عقل اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہوا کہ اللہ کے اس آخری، کامل اور ہمہ گیر دین ہی کو ''اسلام'' کہا جائے۔ اور دوسری تمام امتوں کو چھوڑ کر صرف پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ولقب ''مسلم'' اور ''امتِ مسلمہ'' ہو۔

اسلام کیا ہے؟

وہ تعلیمات جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی صورت میں لے کر آئے، اور جن کی تشریح وتفسیر آپ نے اپنے اقوال، اور اعمال و افعال کے ذریعے کی، اُن تعلیمات کا نام ''اسلام'' ہے۔ ان میں کچھ کی حیثیت بنیاد کی سی ہے، اور کچھ کی حیثیت دیواروں اور ستونوں کی سی ہے۔ کچھ کی چھت کی سی، اور کچھ کی ظاہری زیب وزینت اور آرائش کی ہے۔ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اسی ترتیب سے مطالعہ کیا جائے۔

اِشْعَار: ہدی۔ یعنی قربانی کے جانور کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کے دائیں مونڈھے پر اتنا زخم لگانا کہ کھال کٹ جائے اور گوشت نہ کٹے۔ گہرا زخم نہ آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حجۃ الوداع میں اپنے قربانی کے جانور کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ ہدی ہے، اس کو دوسرے جانوروں کے ساتھ خلط ملط نہ کریں۔

اَشْوَاطُ: شوط کی جمع ہے۔ بیت اللہ کے گرد چکر لگانے کو اسلام کی زبان میں ''شوط'' کہتے ہیں۔ کعبہ کے گرد، سات مکمل چکر لگانے سے ''طواف'' مکمل ہوتا ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ میں بھی سات اشواط (چکر) ہیں۔ وہاں شوط (چکر) سے مراد، صفا اور مروہ کے درمیان مسافت کو سات مرتبہ پورا کرنے کو کہا جاتا ہے۔

اَشْھُرُالحج: حج کے مہینے۔ وہ تین ہیں: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ۔ اشہر حج کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں سے پہلے، یعنی شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا درست نہیں۔

اُضْحِیَّۃ: ذوالحجہ کی دس تاریخ کو نماز عید کے بعد جو جانور ذبح کیا جاتا ہے، اُسے اُضحیہ'' کہتے ہیں۔ ''ضحایا'' اس کی جمع ہے۔ اسی سے ''عیدالاضحیٰ'' اور یوم الاضحیٰ ہے۔ اردو زبان میں ''قربانی'' کہتے ہیں۔ ہجرتِ نبوی کے دوسرے سال اس کا حکم نازل ہوا۔ قربانی، اونٹ، گائے اور بکرے، دنبے کی ہوتی ہے۔ اور ضروری ہے کہ ان میں سے جس جانور کی بھی قربانی کی جائے وہ تندرست اور بے عیب ہو، اس کا کوئی عضو ضائع شدہ نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی، دونوں موٹے تازے اور صحت مند تھے۔ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا

نام لینا ضروری ہے۔

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن، نمازِ عید کے بعد قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے، اس شخص کے لیے جس کو اللہ نے اس عمل کی گنجائش دی ہے۔

قربانی کا جانور، نمازِ عید کے بعد ذبح کیا جائے گا۔ نماز عید سے پہلے ذبح کرلیا تو سنت کی پیروی نہ ہوگی۔

اِضْطِبَاْع: اِحرام کی چادر کو دائیں مونڈھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لینا، ''اضطباع'' کہلاتا ہے۔ ڈالنا اس طریقے سے ہو کہ دایاں کندھا اور دایاں ہاتھ، کہنی تک کھلا رہے اور بایاں مونڈھا چُھپ جائے۔

آفاقی: وہ شخص، جو حج یا عمرہ کے لیے میقات کی حدود سے باہر سے مکہ مکرمہ آئے۔ خواہ اس شخص کا تعلق کسی بھی علاقے اور ملک سے ہو۔ اگر وہ میقات سے باہر رہتا ہے اور حج و عمرہ کے ارادے سے مکہ آیا ہے تو اُسے ''آفاقی'' کہیں گے۔

اِفَاْضَہ: ذی الحجہ کی نو تاریخ کو غروبِ آفتاب کے بعد، حاجیوں کا عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانا۔

اِفْرَاْد: لغت میں اِفراد کے معنٰی ہیں۔ اکیلا کرنا، کوئی کام تنہا

کرنا۔اور شریعت کی اصطلاح میں وہ حج مراد ہے،جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے۔صرف حج کا احرام باندھا جائے اور حج کے مناسک ادا کیے جائیں۔

اَقْسامِ حج: حج کے معنی قصد اور زیارت کے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں زیارت بیت اللہ کی خاص صُورت ہے۔اس میں بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی، عرفات میں وقوف، مزدلفہ میں رات گزارنا، مشعرالحرام کے پاس دعاء، منیٰ میں قیام، جمروں کی رمی کرنا، قربانی وغیرہ شامل ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **اِفْرَاد**

۲۔ **قِرَانْ**

۳۔ **تَمَتُّعْ**

اِفراد۔

اِفراد کے لغوی معنیٰ اکیلا کرنا، کوئی کام تنہا کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں اِفراد سے وہ حج مراد ہے،جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا اِحْرام باندھا جائے اور صرف حج کے مَناسک ادا کیے جائیں۔اس نیت کے ساتھ حج کرنے والا اس وقت تک احرام نہیں اتار سکتا جب تک تمام اعمالِ حج پُورے نہ ہو جائیں۔

حجِ اِفراد کا طریقہ یہ ہے کہ میقات پر احرام باندھے اور حج کے تمام ارکان ادا کرے،قربانی مُفرِد پر مستحب ہے۔مُفرِد اگر قربانی

نہ کرے تو رَمی کے بعد سر منڈائے یا بال ترشوائے۔ ایسے شخص کے لیے قربانی نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قِرَانْ۔

قِرَانْ کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم اکٹھا کرنا، جمع کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں حج اور عمرہ، دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر مناسکِ حج وعمرہ ادا کرنے کا نام قِران ہے۔ حج قِران کرنے والے کو قَارِنْ کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قِران، اِفراد اور تمتع دونوں سے افضل ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قِرَانْ فرمایا تھا۔

تمتع۔

تمتع کے لغوی معنٰی ہیں۔ ''کچھ وقت تک کے لیے فائدہ اٹھانا'' اور شریعت کی اصطلاح میں تمتع کے معنٰی ہیں حِج تمتع کرنا۔ حِج تمتع یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے، عمرہ کے مناسک ادا کر کے احرام کھول دیا جائے۔ آٹھویں ذی الحجہ کو پھر حج کا احرام باندھ کر مناسکِ حج ادا کیے جائیں، اور قربانی کے دن احرام کھول دیا جائے۔ یہ حِج تمتع ہے، اس طریقے سے حج کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں۔

اَنْواعِ اِحْرام: احرام کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **اِفْرَاد**

۲۔ **قِرَانْ**

۳۔ تَمَتُّع

تفصیل، عنوان ''اقسامِ حج'' کے تحت گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جائے۔

اِھْلَال: تلبیہ کہتے وقت آواز کو بلند کرنا۔، نیز قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت بلند آواز سے ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' کہنا۔

اَیَّامِ تَشْرِیْق: تشریق کے معنٰی، تکبیر کے ہیں۔اسی لیے نو ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد سے تیرہ ذی الحجہ نماز عصر تک، تکبیر پڑھی جاتی ہے۔اور اِن دنوں کو ''ایام تشریق'' کہتے ہیں۔

تشریق کے معنٰی، گوشت خشک کرنے کے بھی ہیں۔اس مناسبت سے کہ ان دنوں میں حجاج، ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت سکھاتے ہیں۔اُنھیں ایامِ تشریق کہا جانے لگا۔

اَیَّامِ مَعْدُوْدَات: روزوں کے ذکر میں زبر کے ساتھ ایاماً آیا ہے۔ اور حج میں ایام زیر کے ساتھ آیا ہے اور دونوں جگہ معدودات صفت آئی ہے۔حج کے ذکر میں ''ایام معدودات'' سے ایام تشریق مراد ہیں اس پر صحابہ وتابعین سب کا اتفاق ہے۔یعنی ۱۰، ۱۱،۱۲، ذی الحجہ۔حاجیوں کے قافلے عرفات اورمزدلفہ سے واپسی میں صبح کومنٰی پہنچ جاتے ہیں۔منٰی مکہ معظّمہ سے شمال مغرب میں۴میل کے فاصلہ پر ہے۔حاجی یہاں ان تاریخوں میں قیام

کرتے ہیں، حج کی متعدد رسوم کی ادائیگی یہاں ہوتی ہے۔قربانی کرنا، حجامت کرانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، احرام اتارنا، تکبیر کی کثرت ان دنوں کا خاص معمول ہے اس لیے یہاں ایام معدودات سے مراد بھی تین دن ہیں۔روزوں کے ذکر میں ایام معدودات سے تین نہیں بلکہ پورے رمضان کا مہینہ مراد ہے۔ شاید کوئی عربی زبان سے ناواقف یہ کہے کہ ایام جمع قلت ہے جس کا اطلاق دس دنوں سے زیادہ پرنہیں ہوتا تو اس کو چاہیے کہ ایام العرب کو جو تعداد میں سینکڑوں ہیں نولڑائیوں میں محدود کر دے اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاں دنیا کے ہزارہا انقلابات کو ایام اللہ کہا ہے ان کونو میں محصور کردے۔یمن سے شام تک سرسبز راستہ جومہینوں میں طے ہوتا تھا قرآن میں چند دن چندرات کہا ہے۔پوری انسانی زندگی کو الایام الخالیہ، زمانہ کے برسوں کو الایام کہا ہے۔دراصل جمع قلت وکثرت کا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ عموی ہے، اور صرف ان الفاظ کے لیے ہے جن کی جمع قلت وکثرت دونوں مستعمل ہیں۔ایام کا لفظ ان میں نہیں ہے، اس کی صرف ایک ہی جمع آتی ہے۔

ایام معلومات: ایام معلومات۔کئی دن جومعلوم ہیں۔ایام موصوف، معلومات صفت۔حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ کے نزدیک اس سے قربانی کے تین دن مراد ہیں۔امام ابو یوسف اور امام محمد نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔حضرت ابن عباسؓ، حسن بصری، ابراہیم نخعی

اور قتادہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ بتاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک روایت میں یوم النحر اور اس کے بعد کے تین دن منقول ہیں۔یعنی دسویں، گیارھویں، بارہویں اور تیرھویں تاریخیں۔

اَیَّامُ النحر: دس ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک وہ تین دن جن میں قربانی کی جاتی ہے۔

ایمان: ایمان کے معنٰی تصدیق کے ہیں۔اور تصدیق کے معنٰی یہ ہیں کہ قائل کی بات پر یقین کیا جائے اور اس کی بات کو سچا جانا جائے۔ ایمان، امن سے مأخوذ ہے، جو خوف کی ضد ہے۔ ''امن'' کے معنٰی ہیں اپنے آپ کو خوف اور ہلاکت سے محفوظ و مأمون کر لینا۔

اس بات کو یوں سمجھیئے کہ جب کوئی شخص، کسی چیز کی خبر دیتا ہے اور سننے والا اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا تو متردد ہوتا ہے کہ اس خبر پر یقین کرے یا نہ کرے۔لیکن سننے والا، جب کہنے والے کی بات پر یقین کر لیتا ہے تو اپنے آپ کو شک و شبہ میں پڑنے سے محفوظ کر لیتا ہے۔

اسی طرح جب ایک شخص نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے جو احکام، رسول کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، وہ سب حق اور یقینی ہیں، اور ان کی پیروی میں شک وشبہ کی کوئی وجہ اور گنجائش نہیں۔اس طرح

رسولؐ کی بات پر یقین کرنے والے نے اپنے آپ کو رسولِ خدا کو جھٹلانے اور اللہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے محفوظ و مامون کرلیا۔

یہ ''ایمان'' کے لغوی معنیٰ ہوئے۔ پوری توضیح وتشریح کے ساتھ۔ شریعت کی اصطلاح میں ان مخصوص احکام کو اذعان و یقین کے ساتھ قبول کرنے کا نام ''ایمان'' ہے جو اللہ کا رسول، اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ لغت میں ''ایمان'' مطلق ماننے اور یقین کرنے کا نام ہے۔ اور شریعت میں، اللہ کا رسول، بندوں کی طرف اللہ کے جو احکام لے کر آئے، ان کو اذعان و یقین کے ساتھ ماننے کا نام ''ایمان'' ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے اور اللہ کے درمیان سے رسولؐ کا واسطہ ہٹا دے اور پھر اللہ کے حکموں کو قبول کرے، تو شریعت کی نظر میں وہ ایمان نہیں ہے۔ اور ایسے شخص کو ''مؤمن'' نہیں کہا جائے گا۔

ب

بَدَنَہ: جو شخص، حجِ قِرِاُن کا اِحرام باندھتا ہے اور اونٹ یا گائے مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد ذبح کرنے کے لیے لے جاتا ہے اور اُسے منٰی یا مکہ میں ذبح کرتا ہے، اسے ''بدنہ'' کہتے ہیں۔ بدنہ، اس کی جسامت اور وزن کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع بدن اور بُدُن'' آتی ہے۔

بُطْلَان: بَطَلَ یَبْطُلُ سے مصدر ہے۔ اس کے معنٰی ہیں، کسی چیز کو ضائع کر دینا۔ گویا وہ تھی ہی نہیں۔ کسی بھی شخص کا جو حالتِ اِحْرام میں ہو، بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنا، اس کے احرام اور مناسک کو ضائع کر دیتا ہے۔

بُلُوغ: کسی لڑکے یا لڑکی کا سنِ رشد کو پہنچنا۔ یعنی عمر کے ایسے حصے میں داخل ہو جانا جب اس کے ہوش وحواس، عقل اور اچھے بُرے کی پہچان پختہ ہو جاتی ہے۔ اور اس پر تمام احکام اور عبادات کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ اور وہ ان کی ادائیگی کا اہل سمجھا جانے لگتا ہے۔ نماز، روزہ، حج اس پر واجب ہو جاتے ہیں۔ بالغ ہونے کی عمریں مختلف ہیں۔ لڑکی کے بلوغ کی کم از کم

عمر، نوسال ہے۔ لڑکوں کی بالعموم پندرہ سال ہے۔

بَہِیْمَۃ: وہ زمینی جانور جسے چوپایہ کہا جاتا ہے، قرآن اور حدیث میں ''بہیمہ'' سے وہ چوپایہ مراد لیا جاتا ہے جس کا کھانا حلال ہے۔ اس کا اطلاق۔ اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ، بکری، دنبہ پر ہوتا ہے۔

بَیْتُ الْحَرام: اللہ کا گھر، بیت اللہ، کعبۂ مکرمہ۔ پوری روئے زمین پر اللہ کا ایک ہی گھر ہے، جسے بیت اللہ، بیت الحرام اور کعبہ کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اہلِ ایمان کی زیارت کے لیے اِسے مکہ مکرمہ میں بنایا۔ :**اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّۃَ مُبَارَکاً وَّھُدًی لِّلْعَالَمِین** ۔(۳/۹۶)۔[سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے بنائی گئی، وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، خیر و برکت والی ہے اور اسے تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا ہے]۔

بیت اللہ اور بیت الحرام کے علاوہ ''بیت العتیق'' بھی کہا جاتا ہے۔ عتیق کے دو معنٰی ہیں۔ قدیم تر، اور بزرگ ترین۔ بیت اللہ کو ''بیت العتیق''۔ دونوں معنٰی کے اعتبار سے کہنا درست ہے۔ وہ قدیم تر بھی ہے اور بزرگ تر بھی۔

ت

تَحَلُّل: احرام کے تمام ممنوعات میں سے خیر وخوبی کے ساتھ نکل جانا ''تحلل'' کہلاتا ہے۔یعنی حلال ہو جانا۔

تحلل کی دو صورتیں اور قسمیں ہیں۔

۱: حج کے احرام میں جب محرم، تمام مناسکِ حج ادا کر لیتا ہے، رَمْیِ جمرات سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈوا یا کٹوا دیتا ہے، یہ دن، یوم النحر ہوتا ہے۔تو محرم کے لیے خوش بو لگانا اور معمول کے کپڑے پہننا حلال ہو جاتا ہے۔لیکن بیویوں سے ازدواجی تعلق حلال نہیں ہوتا۔

۲: تحلل کی دوسری صورت اور قسم یہ ہے کہ تمام مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد جب طوافِ افاضہ سے بھی فارغ ہو جاتا ہے تو اس پر دوسری تمام پابندیوں کے علاوہ بیوی سے اختلاط کی پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی سے ازدواجی تعلق بھی بحال کرسکتا ہے۔

تَحِيَّةُ الْمسجد: مسجد میں داخل ہونے کے فوراً بعد دو رکعت نفل نماز جو ادا کی جاتی ہے، اُسے ''تحیۃ المسجد'' کہتے ہیں۔یعنی مسجد کے آداب وسلام۔لیکن مسجدِ حرام میں داخل ہونے کا ادب اور

سلام، دو رکعت نماز نہیں۔ وہ طوافِ کعبہ ہے۔ مسجدِ حرام میں جب بھی داخل ہو، بیت اللہ کا طواف کرے۔ یہ مسجدِ حرام کا تحیۃ المسجد ہے۔

تَرتیب: ہر چیز کو اپنی جگہ اور مقام پر رکھنا، ترتیب کہلاتا ہے۔

حج کے ارکان کی ادائیگی میں ترتیب لازمی اور ضروری ہے۔ نبی علیہ السلام نے مناسکِ حج، جس ترتیب سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اسی ترتیب سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اپنی مرضی سے اُن میں تقدیم و تاخیر نہیں کر سکتے۔

اِحرام، تمام مناسکِ حج کا دروازہ اور حرفِ اول ہے۔ سب سے پہلے احرام باندھا جائے گا۔ احرام کے بغیر حج کا کوئی رکن ادا نہیں ہوسکتا۔ اِلّا یہ کہ بھول چوک سے کوئی ایک عمل، دوسرے عمل سے مقدم یا مؤخر ہو جائے۔

عبداللہ بن عَمرؓو کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا تھا، ان میں سے بعض نے قربانی سے پہلے سر منڈوالیا، اور بعض نے جمرۂ عقبہ کی رمی سے پہلے قربانی کر لی۔ اِن لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا: ہم سے یہ غلطی ہوگئی۔ اب ہم کیا کریں۔؟ آپؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

بظاہر حضور نے ایسا اس لیے فرمایا کہ یہ پہلا حج تھا، اِس سے پہلے صحابہ کو افعالِ حج کے احکام نہیں بتائے گئے تھے۔ آپؐ نے یہی فرمایا تھا کہ: ''حج کے مناسک ادا کرتے ہوئے جیسے مجھے دیکھ

رہے ہو، اِسی طرح تم بھی ادا کرتے رہو''۔ ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا، ہر شخص کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ حضورؐ کے عمل پر نظر رکھے۔ اس لیے رسولِ رحمتؐ نے یہ سہولت عطا کی۔ لیکن سنت یہی ہے، اور اسی پر تمام علماء کا عمل ہے کہ تمام اعمال، ترتیب سے ادا کیے جائیں۔ کیوں کہ اب سنتِ رسول اور عملِ رسول، محکم صورت میں امت کے سامنے ہے۔ خود عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ: بہتر اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ تمام افعال ترتیب سے ادا کیے جائیں تاکہ سنتِ رسول کی پیروی ہو''۔

تَرْوِیَہ: دیکھیے یوم الترویہ''۔

تسبیح: اس کے معنے سبحان اللہ کہنا، اور اللہ سبحانہٗ کی پاکی بیان کرنا ہے یعنی اس کی پاکی اور ہر عیب ونقصان سے اس کی برأت ظاہر کرنا۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ سب چیزیں اللہ سبحانہٗ کی تسبیح کرتی ہیں بعض کی تسبیح تسخیری ہوتی ہے۔ اور بعض کی اختیاری۔ آسمان وزمین اور رینگنے والے جانوروں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بالتسخیر تسبیح گزار ہیں۔ کیونکہ ان کے احول اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دال ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ آسمان وزمین آیا اپنے اختیار سے بھی اللہ سبحانہٗ کی پاکی بیان کرتے ہیں یا نہیں۔

علامہ مرتضیٰ زبیدیؒ تاج العروس میں لکھتے ہیں:

کبھی تسبیح بول کر اس سے نماز اور ذکر اور تحمید و تمجید مراد لی جاتی ہے۔ اور نماز کو تسبیح اس لیے کہا گیا ہے کہ تسبیح کے معنے اللہ سبحانہٗ کی تعظیم کرنے اور ہر برائی سے اس کی تنزیہ کے آتے ہیں، اللہ سبحانہٗ کی ذات کی معرفت میں سب سے پہلا درجہ تنزیہ کا ہے اور قرآن کی زبان میں تنزیہ کو تسبیح کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی زندگی میں اللہ سبحانہٗ کی معرفت صرف تسبیح اور تحمید کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ تسبیح یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی طرف انسان کی توجہ اس طرح ہو کہ اسے احاطہ اور ادراک سے بالا تصور کرے۔ اس کے لیے صفات دائمہ کو بغیر احاطہ اور ادراک کے ثابت کرے اور یقین کرے کہ وہ سنتا ہے لیکن اس کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ لیکن اس کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں ہے وہ جانتا ہے لیکن اس کا جاننا ہمارے جاننے سے مشابہ نہیں ہے۔ اس طرح سننے کو ثابت کرنا تحمید اور سننے میں اس کی بے نیازی کی شان کو برقرار رکھ کر ہر قسم کے عیب سے اسے پاک سمجھنا تسبیح ہے۔ امام غزالی نے تسبیح کو تقدیس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ تسبیح کے ذریعے قرآن نے تنزیہ کی تکمیل کی ہے تنزیہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل انسانی کی پہنچ ہے صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک رکھا جائے۔ قرآن کی تسبیح تنزیہ کی تکمیل ہے۔

تَشرِیق: دیکھیے ''اَیامِ تشریق'' - پہلے گزر چکا۔

تَطَوُّع: شریعت نے جن امور کا بجالانا فرض یا واجب کیا ہے، ان پر اضافہ کرنا، ''تطوع'' کہلاتا ہے۔اس کا مادہ۔ ''طوع'اور طاعت'' ہے۔خوش دلی سے کسی کام کو کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کوفرائض اورواجبات کی تفصیل بتائی کہ چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہیں، ہرسال ایک مہینے (رمضان) کے روزے رکھنا ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔اور فرمایا:اَلّا اَنْ تَطَّوع ''۔مگراس پر جواضافہ کرے۔اس پر اللہ کی طرف سے زیادہ اجروثواب کا مستحق ہوگا۔مثلاً۔دن ورات میں پانچ فرض نمازوں کے علاوہ مزید نمازیں پڑھے۔ سال میں ۲۹ یا ۳۰ روزوں کے علاوہ مزید روزے رکھے۔فرض زکوۃ کے علاوہ صدقۂ وخیرات کرے۔اس سب پر''تطوع'' کا اطلاق ہوگا۔قرآن کریم میں ہے:**فمن تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم۔** (۲/ ۱۵۸)۔(جوشخص رضا اوررغبت کے ساتھ بھلائی کا کوئی کام کرے گا، اللہ، اس کی قدر کرنے والا ہے۔اوراللہ کواس کا علم ہے۔)

زندگی میں ایک بارحج فرض ہوتا ہے، وہ بھی بشرِط قدرت، اگر کسی نے ایک مرتبہ سے زیادہ حج کیا، وہ تطوع کا مصداق بنا، اور اللہ رحیم وکریم کے الطاف وعنایات کا مستحق ہوا۔اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں:''میرے بعض بندے نوافل کے ذریعے مجھ سے

قریب ہوتے ہیں، میں ایسے بندوں سے محبت کرتا ہوں، وہ جب مجھے پکارتے ہیں، میں اُنھیں جواب دیتا ہوں، جب وہ مجھ سے کوئی سوال کرتے ہیں تو میں انہیں عطا کرتا ہوں۔ وہ اگر میری مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو میں ان کی مدد کرتا ہوں''۔

تَفَثٌ: مَیل کچیل، گندگی۔ قرآن نے کہا: **ثم لیقضوا تفثھم** ''(پھر حاجیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں۔) حاجی کے میل کچیل کو دور کرنے سے مراد ہے ناخن کاٹنا، جسم کو صاف ستھرا رکھنا، سر کے بال منڈوانا۔

تَقْبِیْل: اپنی محبوب اور پسندیدہ جگہ پر احتراماً اپنے دونوں ہونٹ رکھ دینا، ''تقبیل'' کہلاتا ہے۔ جسے ہم کہتے ہیں۔ بوسہ دینا چومنا۔ دورانِ طواف، حجرِاسود کو بوسہ دینے اور احتراماً اپنے ہونٹ اس پر رکھ دینے کو ''تقبیل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ طواف جب حجرِاسود کے سامنے پہنچے تو آپ نے اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے، چوما اور بہت دیر تک آپؐ روتے رہے۔ پھر میری نظر عمرؓ پر پڑی، میں نے دیکھا، ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے''۔

تَقْصِیْر: احرام کھولنے کے بعد سر کے بال کم کرانا۔ مردوں

کے لیے دو صورتیں ہیں۔ سر منڈ وائیں، جسے ''حلق رأس'' کہتے ہیں۔ یا سر کے بال کم کرائیں، لمبائی میں سے، جتنے چاہیں، اُسے ''قصرِ رأس'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواتین کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ صرف ایک انگشت برابر بال کم کرائیں۔ مردوں کے لیے حلقِ رأس یعنی سر منڈانا افضل ہے۔ لیکن خواتین کے لیے سر منڈانا جائز نہیں ہے۔ ان کے لیے صرف انگشت برابر بال کٹوانے کا حکم ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی صورت کی اجازت نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: خواتین کے لیے سر منڈانا جائز نہیں ہے۔ ان پر صرف قصر ہے۔ یعنی انگشت برابر سر کے بال کٹوانا''۔ خواتین کے لیے حلقِ رأس کی اس لیے ممانعت کی گئی کیوں کہ خواتین کا سر منڈ وانا، مثلہ کرنے کے مترادف ہے۔ یعنی شکل بگاڑ دینا۔ اور مثلہ، سزا اور تذلیل کی ایک صورت ہے اور ناجائز ہے۔

حلقِ رأس اور قصرِ رأس، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حج اور عمرہ کا رکن ہے۔ اس کے بغیر، حج اور عمرہ مکمل نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک واجب ہے۔ اس کے ترک کرنے والے پر دم لازم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لتدخلن المسجد الحرام ان شآء الله آمنين محلقين رء وسكم ومقصرين۔** (۴۸/ ۲۷)۔ (تم ان شاء اللہ امن اور سلامتی کے ساتھ ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے، اپنے سر منڈ واؤ گے

اور بال ترشواؤ گے۔ اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔)

تَقْوٰی: لغت میں ''تقویٰ'' کے معنیٰ ڈرنے اور بچنے کے آتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُن چیزوں سے بچنے کا نام ''تقویٰ'' ہے جو آخرت میں نقصان پہنچانے والی ہوں، خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال وافعال سے یا اخلاق سے۔ تقویٰ کے تین مرتبے بیان کیے گئے ہیں۔

پہلا مرتبہ۔ یہ ہے کہ آدمی، کفر وشرک سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے۔ اور اپنے آپ کو اللہ کے اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچا لے۔

دوسرا مرتبہ۔ یہ ہے کہ اپنے آپ کو کبیرہ گناہوں سے محفوظ کرے اور صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کرے۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو حقیر نہ جانے۔ سنگریزوں کے ڈھیر سے پہاڑ بنتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ۔ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل اور عمل کو ہر اس چیز سے محفوظ کرے جو اللہ سے غفلت کا سبب بنتی ہو۔ اور جس سے اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ بھی ہو۔

قرآن نے اس شخص کو ''متقی'' کہا جس کا عقیدہ بھی درست ہو، حقوق اللہ بھی صحیح طریقے سے ادا کرتا ہو اور حقوق العباد میں بھی کوتاہی نہ کرتا ہو۔

تَکْبِیْر: ''اللہ اکبر'' کہنا۔تکبیراتِ تشریق: **اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ واللہ اکبر،اللہ اکبر، ولله الحمد۔**

ان الفاظ وکلمات کوتکبیراتِ تشریق۔اس لیے کہتے ہیں کہ ایام تشریق میں ان الفاظ کو کہا جاتا ہے۔

تَلْبِیَہْ: **''لبیک،اللھم لبیک،لبیک لاشریک لک لبیک،انَّ الحمدوالنعمة لک، والملک لاشریک لک** '' کہنے کوتلبیہ کہتے ہیں۔ یہ شعائرِ حج میں سے ہے،حج کا ایک امتیازی نشان ہے۔اسلام سے پہلے، جاہلی دور میں جو لوگ طوافِ کعبہ کی غرض سے آتے تھے وہ بھی تلبیہ پڑھتے ہوئے آتے تھے۔اگرچہ ان کے تلبیہ کے الفاظ، اہلِ اسلام کے تلبیہ سے مختلف ہوتے تھے۔بعض تلبیوں میں شرک کے الفاظ شامل تھے اور بعض تلبیے،شرک کے الفاظ سے خالی تھے۔مثلاً قبیلۂ اوس وخزرج کے تلبیوں میں شرک کے الفاظ نہ تھے۔ان کا تلبیہ یہ تھا:

لبیک حَجاً حَقاً ۔ تعبّداً ورقّاً

جئناکَ للنصاحة ۔ وَلَمْ نأتِ للرقاحة

یعنی ہم طوافِ بیت کے لیے پورے خلوص کے ساتھ آئے ہیں، ہماری اس حاضری میں تجارت،کوئی دنیوی نفع یا کوئی اور غرض شامل نہیں ہے۔لیکن اکثر تلبیوں میں شرکیہ الفاظ شامل تھے۔

اللہ نے جب نسلِ انسانی کو اپنے آخری اور ابدی دین حق، اسلام سے نوازا تو اپنے گھر کی زیارت کے لیے آنے والوں کے لیے ایک ایسی صدا اور پکار تجویز کی اور اسے بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا، جس کے ایک ایک لفظ میں مالک وخالق کی وحدانیت کا اقرار واظہار رہے۔ اللہ وحدانیت کے اقرار کے ساتھ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا اعتراف اور تشکر بھی ہے۔ یہی تلبیہ رسولِ مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، اسی کو ان کے عاشقوں اور جاں نثاروں نے دہرایا، اور آج تک دہرا رہے ہیں، اپنے قلب ونظر کو ان الفاظ سے معطر کر رہے ہیں جن کا حکم ان کے رب نے دیا اور پیارے رسولؐ نے اُنھیں ادا کر کے اپنے ماننے والوں کے لیے ایک نمونہ چھوڑا۔

پوری امت کا اجماع ہے کہ تلبیہ، اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ اس کا حکم اور شرعی رتبہ کیا ہے۔؟ اس میں فقہاء کی آراء کا قدرے اختلاف ہے۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ تلبیہ، احرام کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ مالک بن انس نے کہا۔ واجب ہے۔ ان دونوں اماموں کے نزدیک محرم کے تلبیہ نہ پڑھنے سے دم واجب ہوگا۔ شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک سنت ہے۔ اس کے نہ پڑھنے سے کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس محرم نے تکبیر کہی اور تلبیہ پڑھا، اُسے خوش خبری دے دی گئی''۔ ہم نے پوچھا۔ یارسول اللہؐ! کیا جنت کی

بشارت دی گئی ہے۔؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں''۔

تلبیہ کی ابتداء اسی وقت سے کی جائے گی جب محرم، احرام باندھے۔

تَمَتُّع: لغت میں تمتع کے معنٰی ہیں مختصر اور محدود وقت کے لیے فائدہ اٹھانا۔ شریعت کی اصطلاح میں تمتع کے معنٰی یہ ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا جائے، عمرہ کے مناسک ادا کر کے عمرہ کا احرام کھول دیا جائے۔ اور پھر ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھا جائے اور مناسکِ حج ادا کیے جائیں۔ قربانی کے بعد احرام کھول دے۔

[مزید تفصیل ''اقسامِ حج'' میں ملاحظہ کیجئے]۔

تَنْعِیْم: مسجد حرام سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ایک جگہ۔ اخبارِ مکہ اور معجم البلدان میں وجہِ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے ایک جانب جو پہاڑ ہے، اس کا نام ''نعیم'' ہے۔ اور بائیں جانب جگہ کا نام ''ناعم''، اور ان دونوں کے درمیان جو وادی ہے، اس کا نام ''نعمان'' ہے۔ ناعم، نعیم اور نعمان کے اختلاط اور گڈمڈ سے یہ جگہ ''تنعیم'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔

۱۰۔ ہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حج کے لیے تشریف لائے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ تھیں، انہوں نے مناسکِ حج ادا کیے مگر نسوانی عذر کی بنا پر طوافِ کعبہ نہ

کرسکیں، پاکی کے بعد حضورؐ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے کہا کہ: انھیں ''تنعیم'' لے جاؤ۔ وہاں سے یہ عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ ادا کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اُس روز سے یہ جگہ ان تمام لوگوں کے احرام باندھنے کی جگہ قرار پاگئی جو عمرہ کا احرام باندھیں اور مکہ سے جاکر عمرہ کا ارادہ کریں۔

یہاں جو مسجد ہے، وہ ''مسجد عائشہؓ '' کے نام سے موسوم ومشہور ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ تیرھویں صدی کے آغاز تک یہاں متعدد مسجدیں تھیں۔ مگراب مسجد عائشہؓ کے علاوہ کوئی اور مسجد نہیں ہے۔

تَہلِیل: ''**لاالٰہ الااللہ**'' کا وِرد کرنا، اصطلاح میں تہلیل کہلاتا ہے۔

ث

ثَمَنْ: کوئی چیز فروخت کرنے والا، خریدنے والے سے اپنی چیز کا جو عوض، بدلہ یا قیمت وصول کرتا ہے، اسے عربی زبان میں ''ثمن'' کہتے ہیں۔ مشتری، یعنی خریدنے والے سے چیز کے عوض کا وصول کرنا فوری ہو یا کچھ وقت اور عرصے کے بعد، چیز کا عوض، معمول کے مطابق ہو یا کم، یا زیادہ ''ثمن'' کہلائے گا۔ البتہ ''قیمت'' اس عوض کو کہا جائے گا جو معمول و دستور کے مطابق ہو اور اس چیز کا حقیقی عوض کہلائے جو فروخت کی جا رہی ہے۔

ثَوَاب: اللہ کے کسی پسندیدہ عمل پر کسی شخص کو اللہ کی طرف سے جو پاکیزہ اور بہترین صلہ دیا جاتا ہے، اسے ''ثواب'' کہتے ہیں۔

ج

جَبَلِ اَبُوقُبَیْس: کم اونچائی کا ایک پہاڑ ہے، مسجدِ حرام کے جنوبی سَمت واقع ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جبل ابوقبیس، دنیا میں پہلا پہاڑ ہے جو زمین پر نمودار ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب تعمیرِ کعبہ کے بعد حکم ہوا تھا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے آئیں (**وَاَذِّنْ فِی النَّاس۔**) تو ابراہیم علیہ السلام نے جبلِ ابوقبیس پر چڑھ کر اعلان کیا تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ اُس جگہ کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا جو بیت اللہ سے متصل ''مقامِ ابراہیم'' کہلاتی ہے، اور جہاں طوافِ کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد دو نفل نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔

جبل ابوقبیس پر اب عالی شان عمارتیں اور ہوٹل بن گئے ہیں اور اس کی پہاڑ یا پہاڑی کی حیثیت تقریباً ختم ہو گئی ہے۔

جَبَلِ ثَوْر: مکہ مکرمہ سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر وہ پہاڑی جس کے ایک غار میں ہجرت کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق ؓ نے قیام فرمایا تھا، وہ غار، ''غارِ ثور'' کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن حکیم کی آیت: **ثانی اثنین اذ هما فی**

الغار ''میں جس غار کا ذکر ہے اس سے یہی غار مراد ہے۔اس پہاڑ پر چڑھنا بہت مشکل بلکہ خطرناک ہے۔اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ حضورؐ اور ابو بکرؓ، اُس غار تک کیسے پہنچے اور پھر تین روز کیسے گزارے۔؟

حکومت نے وہاں جانا اور پہاڑ کے کسی حصے پر چڑھنا ممنوع قرار دے دیا ہے۔

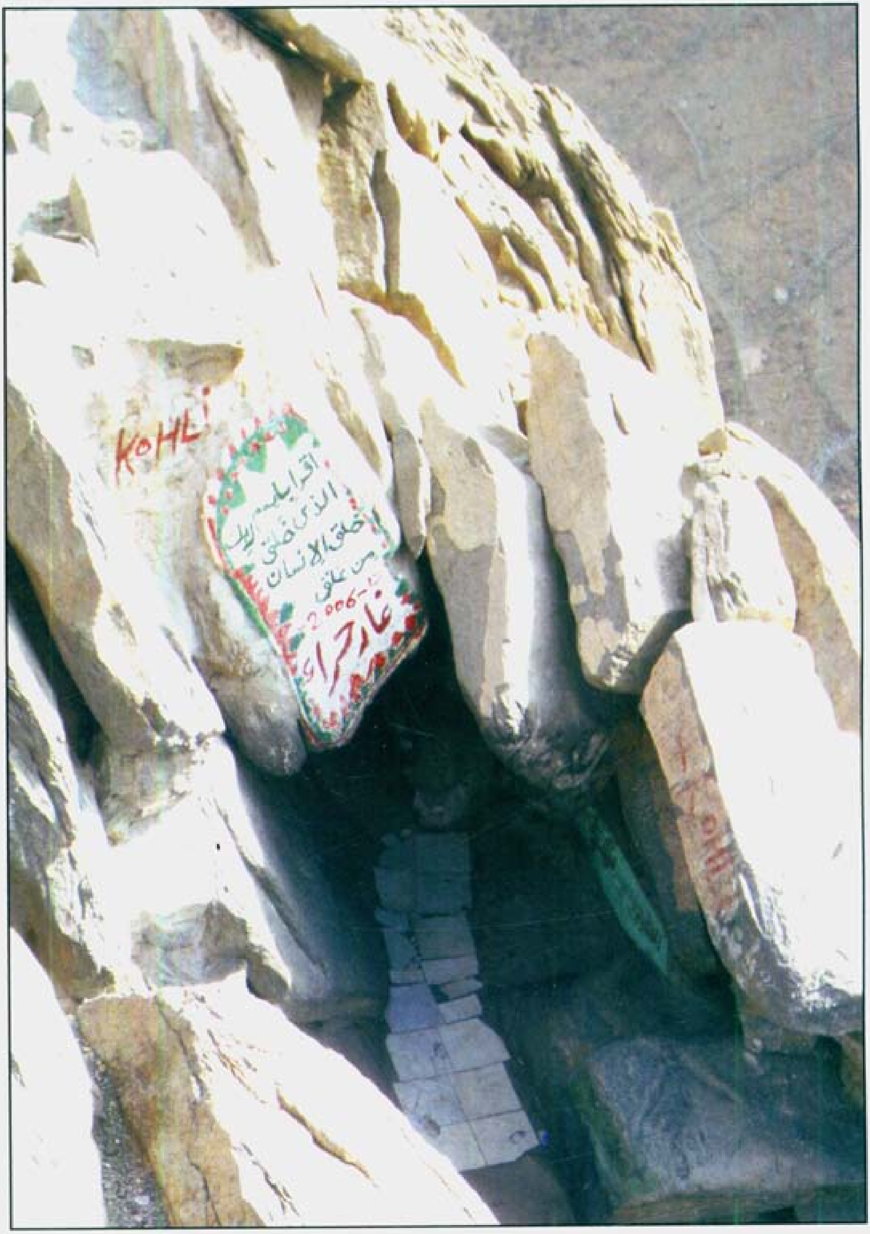
جَبَلِ رحمت: یہ پہاڑ یا پہاڑی، عرفات کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس پر دعاء مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔اس بنیاد پر اکثر لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس پر چڑھیں۔بسا اوقات حج کے دنوں میں اور ان دنوں میں بھی جب عمرہ کرنے والوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، وہاں بہت ہجوم ہو جاتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پہاڑی پر چڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت، روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر تشریف لے جانا ثابت نہیں۔خلفائے راشدین بھی اس کے اوپر نہیں گئے۔

ایک چھوٹی سی خستہ حال مسجد ہے، لوگ، اس میں نوافل ادا کرتے ہیں۔اور دعائیں مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جن جن جگہوں کو آقائے دوجہاں کے قدموں نے چھوا ہے، وہ سب برکتوں والی جگہیں ہیں جہاں جاؤ گے، خیر و برکت سے ہم کنار ہو گے۔جس جگہ بھی کھڑے ہو کر، رُک کر یا رب کریم کے آگے سجدہ ریز ہو کر دعاء مانگو گے، قبول ہو گی۔ بقول:

جو دعاء نکلے گی دل سے، کیوں نہ ہو گی مستجاب

جَبَلِ نور: مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر جبل نور (روشنی کا پہاڑ) ہے جو شمال مشرق میں منٰی و عرفات کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر سڑک سے کچھ دور ہے۔ اس کے بالمقابل جبل ثبیر ہے، لیکن وہ حرا سے کم بلند ہے۔ آج کل اس کے دامن میں آبادی ہے اور بس بالکل قریب تک جاتی ہے جہاں سے اوپر چڑھنے کا راستہ ہے۔ قدیم زمانے میں اسے جبل حرا کہتے تھے۔ کبھی یہ پہاڑ ایک ریتیلے میدان کے بیچ میں اور ٹیلوں سے الگ تھلگ اکیلا کھڑا تھا۔ یہ پہاڑ بے آب و گیاہ ہے۔ کہیں کہیں چند خاردار جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ جبل نور سطح سمندر سے دو ہزار فٹ اونچا ہے۔ اوپر اس کی شکل گول برج کی سی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت حجاج کی رہنمائی کے لیے اس کی چوٹی پر روشنی کی جاتی تھی تاکہ عرفات سے آنے والے راستہ متعین کر لیں۔

جبل نور پر چڑھیں تو دور دور تک کوئی سایہ دار درخت نہیں۔ کہیں کہیں پرانے شیڈ ہیں جو اب ویران پڑے ہیں۔ بہرحال یہاں کچھ دیر آرام کیا جا سکتا ہے۔ غار حرا تک پہنچنے کے لیے پگڈنڈی (پتھریلی راستہ) ہے۔ بعض جگہ پتھر سیڑھیوں کی طرح جمے ہوئے ہیں۔ کچھ دشوار اور ڈھلوان گزرگاہیں ہیں۔ چکردار چڑھائی سے بالکل اوپر پہنچ جانے کے بعد غار نیچے دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سے پھسلن والی چٹان پر سے چند گز نشیب میں اترنا



غارِ حراء

پڑتا ہے۔ اس جگہ چھوٹا سا صحن ہے۔ جہاں سے مکہ شہر اور حرم شریف کے مینار نظر آتے ہیں۔ چاروں طرف میلوں نگاہ کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ یہاں کچھ پتھر ایسے ملے ہیں کہ اب غار بن گیا ہے۔ درمیان میں سے گزریں تو جسم چٹانوں سے مس ہوتا ہے اور یہ کیف آگیں خیال آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھی ان سے مس ہوا ہوگا۔ باب غار کے بعد پھر صحن یا ہموار حصہ ہے۔ یہاں ایک کنارے پر دو بڑی سلیں قدرتی طور پر اوپر سے مل گئی ہیں۔ ان پر کچھ چٹانیں گری ہیں جس سے خیمے کی شکل کا غار بن گیا ہے۔ قدرتاً اس کا رخ بیت اللہ کی طرف ہے۔ غار اندر سے تقریباً چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا ہے۔ اونچا اتنا کہ آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ فرش مسطح ہے جس پر آرام سے پاؤں پھیلا کر سویا جا سکتا ہے۔ سلوں کے ملنے سے دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔

دن ہو یا رات یہاں ایک ملکوتی سکون کی فضا رہتی ہے، جویائے حق کے لیے یہ جگہ جنت فکر ونظر ہے۔ یہاں تین چیزیں جمع ہیں۔ نظر کے لیے بیت اللہ، فکر کے لیے خلوت اور عبادت کے لیے سکون۔ تلاش حق میں محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اکثر یہاں آتے۔ دو تین دن کا توشہ ساتھ ہوتا۔ مالک حقیقی سے لو لگائے، غور وفکر میں منہمک ہوتے۔ محدثین نے اس انداز عبادت کو تحنث یا تحنف کا نام دیا ہے۔ حرا کی یہ خلوتیں پانچ سال پر محیط ہیں۔ یہیں ایک شام ربیع الاول کے مہینے اور پیر کے دن حرا کی

خلوتیں جگمگا اٹھی تھیں۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر قمری حساب سے ۴۰ سال ایک دن کی ہوئی تو روح الامین ظاہر ہوئے اور کہا:

''اے محمدؐ! بشارت قبول ہو۔ آپؐ، اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں''۔

پھر رمضان کا مہینہ آیا تو حامل بشارت پر اسی غار حرا میں پہلی وحی کا نزول ہوا۔ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات کی صورت میں۔ ہادی برحق حرا سے اتر کر سوئے قوم آئے تو قرآن مجید کا نزول شروع ہو چکا تھا۔

حرا کے لفظی معنی ہیں تلاش وجستجو کا غار۔ اسم بامسمّیٰ۔ اس کی فضیلتیں بے حد و بے شمار ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جو امام الانبیاءؐ اور خاتم النبیینؐ کی عبادت گاہ تھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے ۶۱۰ سال بعد زمین اور آسمان کا دوبارہ اتصال وحی کے ذریعہ قائم ہوا تھا۔ یہیں خیر البشرؐ اور سید الملائک کا پہلا معانقہ ہوا تھا۔ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حرا اس کیف آگیں منظر کا آج بھی شاہد ہے جس کا لطف اس نے برسوں پہلے اٹھایا تھا۔

تیری پابوسی سے سینہ کیا روشن اس کا
تودۂ سنگ تھا غارِ حرا کہنے کو

بعض انبیاء کی زندگیوں میں پہاڑوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جبل رحمت پر حضرت آدمؑ وحوا کی ملاقات ہوئی، کوہ جودی پر

حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری۔جبل صفا ومروہ کو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ سے نسبت خاص ہے۔کوہ طور حضرت موسیٰؑ، کوہ زیتون حضرت عیسیٰؑ اور جبل نور، جبل ثور، جبل احد۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اہم پہاڑ ہیں۔

جُحفَہُ: اہل شام کا میقات ہے، مکہ سے اس کا فاصلہ ۱۸۷۔ کلومیٹر ہے۔لیکن شام کے لوگوں کے لیے زیادہ معروف نہیں ہے جحفہ کے بجائے وہاں کے لوگ ''رابغ'' سے احرام باندھتے ہیں، رابغ کا فاصلہ، مکہ سے دوسودو کلومیٹر ہے۔شام کے علاوہ ترکی اور لبنان کے لوگ بھی وہیں سے احرام باندھتے ہیں۔یعنی رابغ سے۔

جِدَال: لڑائی، جھگڑا، بدتمیزی، بدگوئی۔لوگوں کے ساتھ،۔ گالم گلوچ، تکبر، دوسروں کی تحقیر وتذلیل۔ یہ سب ''جدال'' میں شامل ہیں۔اللہ نے ان باتوں سے منع کیا ہے۔خصوصاً دورانِ حج۔فرمایا: **فلارفث ولافسوق ولا جدال فی الحج۔** (۲/۱۹۷)

دورانِ حج خصوصیت سے اس لیے منع کیا کہ بُری بات، ہر جگہ اور ہر وقت بُری ہے۔لیکن اُن مقامات پر اور اُن مجالس میں بہت زیادہ بری اور ناپسندیدہ۔ بلکہ قابل نفرت ہے جن کا ادب و احترام کیا جاتا ہو۔

سربراہان مملکت کی مجالس میں جانا ہو تو کیسے ادب اور تہذیب سے بیٹھتے ہیں، گفتگو، نقل وحرکت اور لباس۔ ہر چیز پر نظر ہوتی ہے۔ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں تو ادب اور احترام کے تمام تر تقاضوں کو ملحوظ رکھنا، اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ پھر جب زبان سے بار بار اقرار بھی کر رہے ہیں۔ کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ اِس اقرار کے بعد ادب واحترام کے تمام تقاضوں کی نفی کریں گے۔ اقرار اور عمل میں مطابقت نہ ہونے کو دین کی زبان میں ''نفاق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جَزَاءُ: قول اور عمل کا بدلہ۔ قول وعمل اگر اچھا ہے تو بدلہ بھی اچھا ہوگا۔ اور اگر بُرا ہے تو بدلہ بھی بُرا ہوگا یا سزا ہوگی۔ حدیث میں ہے: ''مقبول حج کی جزاء یعنی بدلہ، جنت ہے''۔

جِعْرَانَهُ: ماہرینِ لغت، جیم کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اہلِ حدیث کے نزدیک جیم اور عین پر کسرہ ہے، راء پر فتح ہے اور تشدید ہے۔ ماہرینِ لغت کے تلفظ کو صحیح مانا گیا ہے۔ اگرچہ اکثریت، راء کی تشدید کے ساتھ اس لفظ کی ادائیگی کرتی ہے۔

مکہ سے جعرانہ کی مسافت سولہ کلومیٹر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین سے لوٹے تو آپؐ نے اس مقام پر

مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔

ہجرت کے آٹھویں سال، اٹھارہ ذی قعدہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ یہاں ایک کنواں ہے، اس کے بارے میں بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ نبی علیہ السلام نے کھودا تھا۔

امام فاکہی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جعرانہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے تین سو انبیاء نے عمرہ کا احرام باندھا۔

جَمْع بَیْنَ الصَّلٰوتَیْن: دو نمازوں کو ایک وقت میں اکٹھا پڑھ لینا، جمع بین الصلوٰتین کہلاتا ہے

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سوائے عرفات، مزدلفہ اور کسی حالت میں بھی دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا جائز نہیں۔ مگر شافعیہ کہتے ہیں کہ حج ہو یا عمرہ' دونوں میں سے کوئی بھی دو نمازوں کے جمع کرنے کا موجب نہیں بلکہ اس کا سبب سفر میں ہونا ہے۔

دورانِ حج یہ عمل دو جگہوں پر کیا جاتا ہے:

ا۔ میدان عرفات میں ظہر کے وقت، ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا سنت ہے۔ مسجد نمرہ میں خطبہ کے بعد امام ایک اذان اور دو تکبیروں (اقامت) کے ساتھ پہلے ظہر کے دو فرض پڑھائے گا اور پھر دو فرض عصر کے۔

اگر کوئی مسجد نمرہ نہ جاسکے تو اپنے اپنے خیمہ میں اکیلے یا باجماعت نماز پڑھیں۔ظہراورعصر کی قصر اپنے اپنے وقت پر کیونکہ مزدلفہ میں باجماعت ادا کرنے کی شرط امام امیرالحج کا ہونا لازمی ہے۔

۲۔ مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کی تین شرائط ہیں:

i) احرام کی موجودگی

ii) یہ نماز مزدلفہ میں ہو اور عرفات میں وقوف ہو چکا ہو۔

iii) ماہ ذی الحجہ کی دسویں رات ہو اور عشاء کا وقت ہو۔

دونوں نمازیں ترتیب سے ادا ہوں،ایک اذان اور ایک اقامت سے، پہلے مغرب کی نماز اور بعد میں عشاء کی نماز۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنت یا نفل نہ پڑھے۔ بعد نماز عشاء پہلے مغرب کی سنت،نفل اور پھر عشاء کی سنتیں،نفل اور وتر۔

جُنَاح: اِثم،گناہ،۔حرج کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جَنَّتُ الْمَعْلٰی: یہ لفظ مَعْلٰی ہے،میم پر زبر،عین ساکن ہے،لام پر تشدید نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اکثر لوگ اِسے ''مُعَلّٰی'' پڑھتے ہیں۔میم پر پیش،عین پر زبر اور لام پر تشدید،یہ تلفظ غلط ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہوا بھی اسی طرح دیکھا۔

جنت المعلٰی۔مکہ مکرمہ کا قدیم ترین قبرستان ہے۔ یہ بیت اللہ سے کوئی ۲ میل پر واقع ہے۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے آباء واجداد میں عبدالمطلب ، چچا ابوطالب کے علاوہ قریش کے دیگر نامور افراد دفن ہیں ۔ پہلے سرداران قریش کی قبروں پر قبے اور گنبد تھے ۔ ۱۲۱۸ ہجری میں امیر نجد سعود بن عبدالعزیز نے مکہ مکرمہ پر قبضہ کرلیا تو جنت المعلیٰ کے گنبد، پختہ قبریں ،مولد نبیؐ، مولد علیؓ وغیرہ کے انہدام کا حکم دیا کہ خلاف شرع ہیں ۔ترکوں نے ۱۲۳۲ ہجری میں دوبارہ تسلط حاصل کیا تو گنبد بنوا دیئے ۔ جب نجدی سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے حجاز واپس لے لیا تو ترکی تعمیریں پھر منہدم کروادیں ۔اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں ۔

اس کے سامنے کا بلند پہاڑی حصہ حجون کہلاتا ہے ۔فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ٹھہرے تھے ۔قبرستان کے درمیان سے سڑک نکالی گئی ہے ۔شمال میں ایک احاطہ ہے جس کے اطراف جالی دار دیوار ہے ۔لوح مزار تو ہے ،لیکن اس پر کچھ لکھا نہیں ہے ۔قریب میں کچھ پتھر قبر کے نشان کے طور پر لگے ہیں ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں میں حضرت قاسمؓ اور عبداللہؓ اپنی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے پہلو میں مدفون ہیں ۔حضور کے دادا جناب عبدالمطلب اور عمِ محترم حضرت ابوطالب بھی یہیں دفن ہیں ۔اسی قبرستان میں کہیں حضرت اسمؓ بنت ابوبکرؓ ،حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ،حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ ،حضرت فضل ابن عباسؓ ،حضرت ابوطفیل عامر ابن واثلہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ ، تابعین ابدی نیند سو رہے ہیں ۔قبریں

کچھ مدت کے بعد سطح زمین کے برابر کردی جاتی ہیں۔ یہاں تدفین کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ کسی قبر پر لوح مزار لگانے کی اجازت نہیں، البتہ نشان کے پتھر دکھائی دیتے ہیں۔

ح

حج: حج، اسلام کا چوتھا رکن ہے۔اس کے لفظی معنیٰ، قصد اور ارادے کے ہیں۔اور قصد وارادے سے مراد کسی مقدس اور قابلِ احترام جگہ کا سفر ہے۔اسلام کی زبان میں ملکِ عرب کے شہر مکہ میں جاکر وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد، خانہ کعبہ کے طواف کرنے اور مکہ کے بعض دوسرے مقدس مقامات پر حاضر ہوکر کچھ مخصوص اعمال وافعال بجالانے کا نام ہے۔

نماز، دن ورات میں پانچ مرتبہ اور روزہ وزکوۃ، سال میں ایک بار فرض ہے۔لیکن حج، ایسی عبادت ہے جو مسلمان پر، خواہ وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو، چند شرائط کے ساتھ زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

حج کی فرضیت کی ابتداء سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، جب انہوں نے اللہ کے حکم سے اللہ کے گھر کی تعمیر کی، اور اللہ نے اُنھیں حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردیں کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے قریب ودور، ہر جگہ سے آئیں۔ پاپیادہ آئیں یا سواریوں پر۔جس کے لیے جیسے بھی ممکن ہو: ''**واذن فی الناس بالحج یأتوک رجالاً وعلیٰ کل ضامر**

یأتین من کل فج عمیق''۔(۲۲/ ۲۷)۔[لوگوں میں حج کا عام اعلان کردو کہ وہ تمہارے پاس آئیں، پاپیادہ، دبلی اونٹنیوں پر، ہر قریب وبعید کے مقام سے]۔

اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر جب نسلِ انسانی پر اپنا فضل وانعام اور احسانِ عظیم کیا تو اللہ کے گھر حاضری کے فریضے کی تجدید کی گئی۔

اکثر روایات کی بنا پر یہ تجدید ہجرت کے نویں سال کی گئی۔اور رسولِ رحمت نے سنہ دس ہجری میں ایک لاکھ سے زائد رفقاء کے ساتھ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کی۔حکمِ الٰہی تھا:**وللہ علیٰ الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً**۔(۳/ ۹۷)۔[اللہ کے لیے لوگوں پر اس کے گھر کی حاضری فرض ہے، جو بھی وہاں تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو]اس حکمِ الٰہی کی بنیاد پر حج ہر مسلمان پر(چند شرائط کے ساتھ) فرض عین ہے۔قدرت ہوتے ہوئے نہ کرنا، سخت گناہ اور فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے۔مذکورہ بالا آیت کے اگلے حصے میں اسی طرف اشارہ ہے۔فرمایا:''**ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین**''(جس نے اس کا انکار کیا، وہ سمجھ لے کہ اللہ، سارے جہانوں سے بے نیاز ہے)۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا: مسلمانو!''تم پر حج فرض کردیا گیا ہے۔اس کو ادا کرنے کی کوشش کرو''۔(مسلم)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''جس نے تمام تر ساز و سامان اور قدرت ہونے کے باوجود بھی حج نہ کیا، تو برابر ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر''۔ (ترمذی)

قدرت اور استطاعت کے بعد، حج کرنا فوری طور پر فرض ہے یا تاخیر کر سکتا ہے۔؟ اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ جب قدرت حاصل ہو، تو اُس کے فوراً بعد جو اَیامِ حج آئیں، ان میں حج کر لے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ فرض ہونے کے فوراً بعد ضروری نہیں، جب چاہے ادا کر لے۔

تین اماموں کی رائے بہت عقلی اور حالات کے مطابق ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، بہتر یہی ہے کہ جب اللہ، رحیم و کریم قدرت عطا فرمائے تو بلا تاخیر اس عظیم فریضے کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ حج، تمام ارکانِ اسلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں نماز بھی ہے، تکبیر و تہلیل بھی، صدقۂ و خیرات بھی، روزہ بھی۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ کے گھر کی زیارت، اپنے حقیقی مالک و خالق اور رازق کے گھر حاضری دے کر اس سے اپنی بے پناہ محبت و عقیدت کا عملی اظہار۔

ارکانِ حج، اقسامِ حج اور شرائطِ حج کی تفصیلات، انہی عنوانات کے ذیل میں پڑھ لیجئے۔

حجِ اکبر: عُمرہ کے اکثر ارکان حج کی طرح ہیں، مگر چند اُمور میں بنیادی فرق ہے۔ حج فرض ہے، عُمرہ فرض نہیں ہے۔ حج کے ایام معین ہیں، عمرہ کا کوئی وقت معین نہیں، البتہ رمضان میں عُمرہ کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔ روایات میں اسے حج کے برابر کہا گیا ہے، عمرہ میں وقوفِ عرفہ، اور مزدلفہ، رمیِ جمار، جمع بین الصلوٰتین، طوافِ قدوم، اور طوافِ صدر نہیں ہے۔

عُمرہ کے فاسد کرنے، یا جنابت کی حالت میں طواف کرنے سے صرف ایک بکری صدقہ کرنا کافی ہے، جب کہ حج میں ایسا نہیں ہے، عمرہ کی کسی بھی جنایت میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم نہیں آتا۔

عُمرہ میں احرام شرط ہے، اور طواف رُکن ہے۔ اعمال وافعال میں اسی مماثلت کی وجہ سے عمرہ کو حجِ اصغر کہا جاتا ہے۔ لوگوں میں حجِ اصغر اور حجِ اکبر کا بڑا عجیب تصور ہے۔ حج اگر جمعہ کے روز واقع ہو تو اُسے حجِ اکبر کہتے ہیں۔ اس بات کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ ہر حج، حجِ اکبر ہے۔ حجِ اصغر سے عمرہ کو تعبیر کیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے، اور اسی پر ہر حاجی کو نظر رکھنی چاہیے کہ حج میں صرف ظاہری اعمال وافعال کی ادائیگی پر ہی زور نہ رہے، اس عبادت کے ذریعے شریعت جس جذبے اور رُوح کی طلب گار ہے وہ پیدا ہونی چاہیے۔ تاکہ خدا کی بارگاہ میں حج مقبول ہو، البتہ جمعہ کا دن بجائے خود مبارک ہے اور اگر اس میں حج بھی جمع ہو جائے تو یہ قِرانُ السعدین ہے اور اس کی

فضیلت اور بڑھ جاتی ہے۔ اگرچہ عرفات میں بالاتفاق جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ بعض کتابوں میں ہے کہ جمعہ کے دن حج بھی جمع ہو جائے تو ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں ستر گنا سے مراد کثرت ہوتی ہے معین عدد مراد نہیں ہوتا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ جُمعہ کے دن حج اور افضل ہو جاتا ہے، مگر اسے حجِ اکبر کہنا صحیح نہیں، کیونکہ ہر حج، حجِ اکبر ہے اور حجِ اکبر کا استعمال عمرہ کے بالمقابل ہوتا ہے جسے حج اصغر کہتے ہیں۔

حجِ بدل: عبادتوں کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم محض بدنی عبادت، جیسے نماز اور روزہ کہ ان دونوں کی غرض اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنے نفس کو عاجزی اور فروتنی میں ڈالنا ہے۔ اس میں مال کو دخل نہیں ہے۔

دُوسری قسم مالی عبادت، جیسے زکوٰۃ وصدقہ، اس سے غرض یہ کہ غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ ان دونوں مالی اور بدنی عبادتوں کی مرکب عبادت ''حج'' ہے۔ کہ اس میں طواف، سعی اور دیگر مناسک کے ذریعے جہاں اللہ کی خوشنودی اور خشوع وخضوع مقصود ہے، وہاں اس کی راہ میں مال بھی خرچ کرنا ہوتا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں (جو محض بدنی ہے) اپنے بجائے کسی دوسرے کو نائب بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی نماز اور روزے کے لیے کسی دوسرے کو

نائب مقرر کر دے۔ ایسا کرنے سے اس کی نماز اور روزہ ادا نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت (مالی) میں نائب بنانے کی گنجائش ہے۔ لہٰذا مالکِ مال کو جائز ہے کہ وہ خود براہِ راست کسی کو زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم ادا نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا دے۔ اس طرح زکوٰۃ یا صدقہ کی ادائیگی جائز ہو جائے گی۔

تیسری قسم کی عبادت، یعنی حج کی ادائیگی میں کسی کو نائب بنانے کے لیے کچھ شرائط ہیں، یہ نہیں کہ ہر شخص کسی دوسرے کو سفر خرچ دے دے، اور اس سے کہے کہ تم میری طرف سے حج کر آؤ۔

فقہ حنفی کی رُو سے حجِ بدل کرانے کے لیے حسبِ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے:

اول یہ کہ:

کوئی ایسی معذوری لاحق ہو جو عام طور پر مرتے دَم تک باقی رہتی ہے۔ مثلاً نابینا ہو جائے، اپاہج ہو جائے، یا کہنہ سال ہو، بہرکیف جب عاجزی اس درجہ ہو کہ مرتے دَم تک حج کے قابل ہونے کی اُمید نہ ہو تو پھر جائز ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا دے کہ وہ اس کی طرف سے حج ادا کرے، لیکن اگر مرض ایسا ہے کہ شفایاب ہونے کی امید ہے یا قید میں ہے، اور اس نے کسی کو نائب بنا کر حج کرا دیا، بعد میں شفایاب ہو گیا، یا رہا ہو گیا تو فریضۂ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ:

جو شخص حج کرا رہا ہے وہ تمام، یا اکثر اخراجات ادا کرے، اگر حجِ بدل کرنے والے نے خود اپنا خرچ کیا اور کسی دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کر لی تو یہ حج درست نہ ہوگا۔

تیسرے یہ کہ:

حجِ بدل کرنے والا، حجِ بدل کرانے والے سے عام اخراجات لے۔ اگر اخراجات سفر وغیرہ کے علاوہ بطورِ اُجرت کوئی رقم اور معاوضہ مقرر کیا تو حج باطل ہو جائے گا۔ عام اخراجات میں بھی اگر کچھ رقم بچ جائے تو وہ بھی حج کرانے والے کو لوٹا دے، اگر وہ اپنی خوشی سے رہنے دے تو جائز ہے۔

چوتھے یہ کہ:

ایک ہی احرام باندھے، اگر ایک احرام حجِ بدل کا باندھا اور دوسرا احرام اپنے حج کا باندھا تو دونوں میں سے کسی کا بھی حج نہ ہوگا۔

پانچویں یہ کہ:

حج کرانے والے نے جو شرائط لگائی ہیں، ان کے مخالف حج نہ کیا جائے، یعنی اگر اس نے حج تمتع کے لیے کہا ہے تو اسی کی نیت کرے، اگر قِران کے لیے کہا ہے تو اسی کی نیت کرے، اور اگر افراد کے لیے کہا ہے تو اس کی نیت کرے۔

چھٹے یہ کہ:

حجِ بدل کرانے والے ہی کی طرف سے حج کی نیت کرنا ضروری ہے۔ تلبیہ بھی اُسی کی طرف سے کہے۔

ان تمام شرائط کی موجودگی میں حجِ بدل ہوگا، عام طور پر لوگ احتیاط نہیں برتتے اور خود حج کی قدرت رکھتے ہوئے دوسرے لوگوں کو اپنی طرف سے حج کرانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ حج بہت اہم عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے عاقل، بالغ، صاحبِ استطاعت مسلمان پر عمر میں صرف ایک بار فرض کی ہے۔ اس کی ادائیگی اور بجا آوری میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح حجِ بدل کرنے والے کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں۔ یہ نہیں کہ ہر آدمی دوسرے سے رقم لے لے اور کہے کہ میں تمہاری طرف سے حج کرآؤں گا۔

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ:

حجِ بدل کرنے والے نے پہلے اپنا فریضۂ حج ادا کرلیا ہو، جس نے اپنا فریضۂ حج ادا نہیں کیا، اس کو حجِ بدل کرنا جائز نہیں ہے۔ حجِ بدل کرنے والا عاقل، بالغ اور قابلِ اعتماد ہو، مناسکِ حج سے واقف ہو، مناسکِ حج صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہو، اگر کوئی جسمانی طور پر مناسکِ حج ادا کرنے کے قابل نہیں تو اس کو حجِ بدل کے لیے مقرر کرنا درست نہ ہوگا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: قبیلۂ جہینہ کی ایک عورت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی۔ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہ کرسکی۔ فوت ہوگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں۔؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، تو اس کی طرف سے حج کرلے“۔

ابن عباسؓ ہی کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے سنا، ایک شخص کہہ رہا تھا۔ میں شبرمہ کی طرف سے حج کرلوں۔؟ آپؐ نے اس سے پوچھا: تو نے خود حج کیا ہے۔؟ کہنے لگا۔ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پہلے اپنا حج کر، پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا''۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے شخص کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے، جسے اصطلاح میں ''حجِ بدل'' کہا جاتا ہے۔ لیکن حجِ بدل یعنی کسی دوسرے شخص کی طرف سے حج، وہ کرسکتا ہے جس نے پہلے خود اپنا حج کرلیا ہو۔ اگر کسی نے پہلے اپنا فرض حج نہیں کیا تو وہ دوسرے کی طرف سے حج نہیں کرسکتا۔

حَجُّ الصَّبِیِّ: بچوں کا حج۔

بالاتفاق بچوں پر حج فرض نہیں، بالفرض اگر کوئی بچے کو ساتھ لے جائے تو اس کا ولی اس کے احرام کی نیت کرے، اور اپنی اور اس کی طرف سے تلبیہ کہے۔ اگر بچہ سمجھ دار ہے تو وہ خود احرام باندھے اور خود ہی افعال حج ادا کرے، لیکن اس کے باوجود اس کا یہ حج نفل ہوگا۔ بلوغ کے بعد اگر حج فرض ہوا تو دوبارہ فرض حج ادا کرنا ہوگا۔

اگر بچہ شیرخوار ہے تو ولی اسے گود میں لے کر اپنی اور اس کی طرف سے افعالِ حج ادا کرے۔

لیکن سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ بچوں کو ساتھ لے کر نہ جایا

جائے۔ سفر بے حد طویل، افعالِ حج بہت طویل، ایک بچے کے لیے ان کا بجالانا تقریباً ناممکن، بلکہ اس بچہ کی دیکھ بھال کی وجہ سے خود بڑے آدمی کا حج خراب ہو جانے کا اندیشہ، اور قدم قدم پر اس کے لیے مشکلات۔ پھر یہ کہ بچوں کو ساتھ لے جانے کی وجہ سے جہاں ان کے ماں باپ کو مشکلات پیش آتی ہیں، وہاں حکومت، اور خاص طور پر میزبان حکومت کے لیے بے شمار مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر سے بھی، اور عملاً بھی بہتر یہی ہے کہ ہر شخص اسی وقت حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرے جب اس پر فریضہ عائد ہو۔

حجِ مبرور: حجِ مبرور، ایسے حج کو کہتے ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔ یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں کے حج نے اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ پالیا۔؟ کسی نے امام غزالیؒ سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے بڑا عقلی اور منطقی جواب دیا، ایسا جواب، جو شریعت کے مزاج کے بھی عین مطابق ہے۔ فرمایا: حج کے لیے جانے والا آدمی اگر جانے سے پہلے کسی برے اور ناپسندیدہ کام یا کاموں میں مبتلا تھا، اور حج کی ادائیگی کے بعد اس نے وہ کام چھوڑ دیئے تو سمجھیئے کہ اس کا حج مقبول ہو گیا۔ اور اگر حج کرنے کے بعد بھی اُنہی دھندوں میں پھنسا رہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارگاہِ رب سے اس کا حج مسترد ہو گیا، قبولیت کا درجہ نہیں پا سکا۔

بعض اہلِ علم نے حج مبرور کے یہ معنٰی بھی بیان کیے کہ جس نے دورانِ حج کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جس سے شریعت نے منع کیا ہے، پورے خشوع اور خضوع کے ساتھ اس نے تمام مناسک ادا کیے ہوں، ایسے حج کو ''حجِ مبرور'' یعنی مقبول حج کہا جائے گا۔

حَجُّ الْمُرأة: عورت کا حج۔ مطلب یہ ہے کہ جن شرائط کے ہوتے ہوئے حج، مَرْدوں پر فرض ہوجاتا ہے اسی طرح اگر وہ شرائط کسی عورت میں پائی جائیں تو اس پر بھی حج فرض ہوجائے گا۔ البتہ عورت کے لیے ایک مزید شرط ہے۔ اور وہ ہے ''مَحرم'' کی۔ کیوں کہ عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر دوسری تمام شرائط پائی جاتی ہیں مگر محرم نہیں ہے۔ یا محرم تو ہے مگر اس کا ساتھ لے جانا ممکن نہیں تو عورت پر حج فرض نہ ہوگا۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر عزیز واقارب کی چند معتبر خواتین کے ساتھ حج کے لیے چلی جائے اور حقیقی محرم نہ ہو تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔

حَجِّ نَذَرْ: حجِ نذر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ سے یہ عہد کرے کہ: میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاؤں گا۔'' یعنی حج کروں گا۔ جیسے بعض لوگ نذر مانتے ہیں کہ۔ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اتنا صدقہ خیرات کروں گا، یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اگر کسی نے حج کی نذر مانی تو اس کے لیے حج کرنا ضروری

(واجب) ہوگا۔

ایک بات ذہن میں رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایسے شخص پر حج فرض ہے، تو اس کی ادائیگی اِس حج کے علاوہ ہوگی۔ فرض حج کرنے سے نذر پوری نہ ہوگی، اس کے لیے الگ حج کرنا ضروری ہے۔

حجرِاسود: حجرِ اسود کے لفظی معنٰی کالے پتھر کے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: یہ پتھر، جنت سے اُترا تھا، دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہوں سے سیاہ ہوگیا۔

خانۂ کعبہ کے جنوب مشرقی کونے میں فرش سے چار فٹ کی بلندی پر سیاہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے تین ٹکڑے چاندی کے فریم میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہ جنت کا متبرک پتھر ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں تعمیر کررہے تھے تو فرشتوں نے اسے گوشہ میں نصب کردیا۔ روایت ہے کہ حجرِاسود ایک بڑا پتھر تھا لیکن زمانے کے حادثات نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

۲۶۳ھ میں ایک شخص نے طواف کے دوران اس پر پھاوڑے سے حملہ کیا، ۹۹۰ء میں ایک اور شخص نے خنجر سے حملہ کیا، سب سے بڑا حادثہ ۳۱۷ھ میں پیش آیا۔ جب ابوطاہر قرامطی نے خانۂ کعبہ میں قتل وخون کیا اور حجرِاسود کو اُٹھا کر اپنے وطن بحرین لے گیا اور بائیس سال تک اپنے پاس رکھا۔ پھر ۳۳۹ھ میں حجرِاسود واپس لایا گیا اور دوبارہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ حجرِاسود کو یمین



حجرِ اسود

اللہ فی ارضہ کہا گیا ہے اس کو ہاتھ لگانا عبادت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرا سود کے سامنے تشریف لائے اور اپنے ہونٹوں کو اس پر رکھا اور دیر تک روتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مڑے تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رو رہے تھے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو نکل آتے ہیں''۔

حجرا سود کا بوسہ سنت ہے۔ یہ درحقیقت ایک پتھر کا بوسہ نہیں ہے بلکہ محبوب کے سنگ آستاں کا بوسہ ہے۔ حجرا سود کو بوسہ دینے کے لیے جو ہجوم اور دھکم پیل لوگ کرتے ہیں یہ نہ صرف ایک ناروا فعل ہے بلکہ اس میں ایک دوسرے کی جو سخت مزاحمت کی جاتی ہے وہ حج کو ضائع کرنے والی حرکت ہے۔ خصوصاً عورتوں کا اس دھکم پیل میں گھسنا بہت ہی مشکل ہے۔ شریعت نے کسی پر لازم نہیں کیا ہے کہ وہ ضرور حجرا سود کو بوسہ ہی دے۔ یہ کام اگر مزاحمت کے بغیر نہ ہوسکتا ہو تو ہر چکر کے خاتمہ پر حجرا سود کے سامنے پہنچ کر اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا اور اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا شرعاً کافی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کیسی حکیمانہ بات کہی۔ فرمایا:

''اے کالے پتھر۔! میں خوب جانتا ہوں تو ایک معمولی پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے، اور نہ نقصان، لیکن میں تجھے اِس لیے بوسہ

دیتا ہوں کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے دیکھا ہے''

یہ بوسہ، تعظیم کا بوسہ نہیں، بلکہ اس محبت کا نتیجہ ہے، جو اِس یادگار کے ساتھ ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی روحانی اولاد کو ہے، ورنہ اگر کوئی نہ اس کو چھوئے، نہ بوسہ دے اور نہ اشارہ کرے تو اس سے اس کے حج میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ایک بار ہجوم کے باعث حجراسود کو بوسہ نہ دے سکے تو آپؐ نے اپنی چھڑی سے اشارہ کیا۔ اور چھڑی کو بوسہ دے لیا۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی موقع ملے، حجراسود کو بوسہ دے لیا کرو۔ ایک ایسا وقت آئے گا تم اسے اپنی جگہ نہیں پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ، جنت کی کسی چیز کو دنیا میں نہیں چھوڑیں گے۔ قیامت سے پہلے اسے اٹھا کر دوبارہ جنت میں پہنچادیں گے''۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت سے پہلے لوگوں کے سینوں اور حافظوں سے قرآن مجید اور خانہ کعبہ سے حجراسود آسمانوں پر اٹھالیا جائے گا''۔

حَدَث: حکمی نجاست، جس سے وضو کرنا واجب ہو جائے یا غسل کرنا۔ نماز کے لیے بھی اور طواف کے لیے بھی۔

حدث کی دو قسمیں ہیں۔ حدثِ اصغر۔ اور حدثِ اکبر۔، حدثِ

اصغر، جو وضو کو ختم کر دے۔ اور حدثِ اکبر، جو غسل کو زائل کر دے اور نئے غسل کو واجب کر دے۔

حَرَام: حلال کی ضد، ہر وہ چیز جس کو اللہ نے منع کر دیا ہو۔ جیسے کسی پر ظلم، کسی کا حق مارنا، تمام ممنوعات۔ ''حرام'' کو بیت اللہ کی صفت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ بیت الحرام یا بیت اللہ الحرام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر میں وہ تمام باتیں حرام ہیں جن سے اللہ نے منع کر دیا ہے۔ اور اُن باتوں کے ارتکاب سے بیت اللہ کی عظمت پامال ہوتی ہے۔

حَرَج: تنگی، گناہ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بعض صحابہ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم نے بعض عمل، بعض عمل سے پہلے کرلیا۔ ہمارا حج تو خراب نہیں ہو گیا۔؟ آپؐ نے فرمایا: ''لاحرج''۔ کوئی گناہ نہیں، کوئی تنگی نہیں۔ اردو زبان میں بھی حرج، اسی معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔

حَرَم: جب مطلق ''حرم'' بولا جائے تو اس سے حرمِ مکہ مراد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس جگہ کو محترم بنایا۔ بہت سی ایسی چیزوں اور اعمال کو یہاں حرام کیا جو اس مقام کے سوا ہر جگہ حلال ہیں۔ گھاس کاٹنا اور کسی گری پڑی چیز کو اٹھانا بھی حرام قرار دیا۔

دو مقامات کو ''حرم'' قرار دیا۔ حرمِ مکہ، اور حرمِ مدینہ، دونوں حرم کی کچھ حدود ہیں۔ اس سے باہر کا علاقہ ''حِلّ'' کہلاتا ہے۔ یعنی حرم کے حدود میں جن باتوں کا کرنا حرام ہے، اس حد سے نکل کر حلال ہے۔

ان محترم مقامات میں اس مقام پر جو حرمِ مکہ ہے، باہر سے آنے والوں کے لیے میقات مقرر کیے۔ اس حد سے آگے بڑھیں گے تو احرام باندھ کر آئیں گے۔ مُحرِم ہو کر حرمِ مکہ و کعبہ کی طرف قدم بڑھائیں گے۔

• ایسا حرم، اللہ نے مسجد اقصیٰ اور بیت القدس کو بھی قرار نہیں دیا۔

حرمِ مکہ آنے والوں پر واجب کیا کہ وہ اپنے علاقوں کے ٹھاٹ باٹ اور شان و شوکت کے لباس اتار دیں، لباس سے کوئی نہ پہچانا جاتا ہے کہ بادشاہ ہے یا رعایا، امیر ہے یا غریب، سادہ سی دو چادریں جسم پر ڈال کر اور ان سے اپنا ستر ڈھانپ کر حرمِ کعبہ میں داخل ہوں۔ رَبِّ کائنات کے آگے گردنیں جھکی ہوں، زبانوں پر اس کی تحمید و تقدیس کے ترانے، دل اور نظر، ہر طرف سے ہٹی ہوئی۔ عجز و انکسار کا پیکر۔ پھر اس بات کا بھی پابند کیا کہ اپنی محنت سے کمائے ہوئے پیسے سے یہ سفر کریں۔ کسی کا دل دکھا کر یا کسی کا حق مار کر یہ پیسہ حاصل نہ کیا ہو۔ آنے سے پہلے صلاح و تقویٰ کا پیکر اگر نہیں تھے تو واپس جانے سے پہلے بن کر جاؤ۔

یہ تو وہ مقام ہے جہاں اللہ کی رحمتوں کی برسات ہے۔ یہاں بھی اگر جس پر اس کے چھینٹے نہ پڑے تو اس سے بڑی محرومی کوئی

نہیں۔

حُرُمَات: حرمۃ کے جمع ہے، حرمت اس چیز کو کہتے ہیں جس کا ادب ضروری ہو۔ اہلِ عرب ادب کی وجہ سے خانہ کعبہ کو البیت الحرام کہتے ہیں، پھر اس علاقہ کا ادب جس میں خانہ کعبہ واقع ہے اس کو حرم کہتے ہیں۔ یعنی ادب کا مقام، مکہ مکرمہ کا ایک مخصوص حصہ جس کی حدود میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ادب کی وجہ سے کچھ چیزوں کو حرام کر دیا ہے، حرم کہلاتا ہے۔ علامہ طاہر کروی نے حدودِ حرم یہ بتائی ہیں۔ مدینہ طیبہ سے تین میل کے بعد علاقہ حرم شروع ہوتا ہے۔ طائف کی جانب سے سات میل، جدہ کی سمت سے دس میل، جِعرَّ انہ کی جانب نو میل اور یمن کی جانب سات میل۔ یہ حدودِ حرم ہیں۔ اور زمان کے لحاظ سے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم چار مہینے حرام ہیں۔ کیونکہ ان کا ادب کیا جاتا ہے۔ اور اشخاص کے لحاظ سے وہ شخص حرام ہے جو احرام باندھ لیتا ہے اس کا بھی ادب کیا جاتا ہے۔ گویا علاقۂ حرم کا ادب، حرمت والے مہینوں کا ادب اور احرام باندھنے والے لوگوں کا ادب، یہ سب مل کر حرمات ہو گئے۔ جنگ میں ان میں سے کسی کا ادب ملحوظ نہیں رہتا ہے۔ قرآن نے ان کے آداب کو ملحوظ رکھنے کا ایک ضابطہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ ''الحرمات قصاص''۔

حَصَیٰ: کنکری۔ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ حصاۃ، جمع ہے۔ ''رمی جمار'' میں تفصیل پڑھیئے۔

حَطِیْم: بیت اللہ کی شمالی جانب ایک قوس نما (کمان کی طرح) ایک بہت کم اونچی دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس دیوار کی وجہ سے ایک چھوٹا سا احاطہ بن گیا، اس احاطہ کو ''حطیم'' کہا جاتا ہے۔ زبان زدِ عام تو یہی نام ہے مگر کتابوں میں ''حجر اسماعیل اور حظیرۂ اسماعیل'' کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ قاموس میں حطیم کے معنٰی، حِجرِ کعبہ اور دیوارِ کعبہ بیان کیے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حطیم کے معنٰی دیوارِ کعبہ ہی بیان کیئے ہیں۔

''اخبارِ مکہ'' جمع کرنے اور لکھنے والوں نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ: ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اس جگہ بٹھایا تھا، اور اُن کے لیے ایک جھونپڑی نما جگہ بنائی تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور سے پوچھا: اس دیوار اور جگہ کی حقیقت کیا ہے۔ کیا یہ بیت اللہ میں شامل ہے ؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں، یہ بیت اللہ میں شامل ہے''۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: عائشہ۔! اگر تیری قوم کا جاہلی دور قریب نہ ہوتا اور مجھے ان کی بدگمانی اور باہمی جنگ و جدال کا خوف نہ ہوتا تو میں اس دیوار کو توڑ کر یہ چھوٹا سا احاطہ بھی بیت اللہ میں شامل کر

دیتا''۔

سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''حطیم کے دروازہ پر ایک فرشتہ اعلان کر رہا ہے کہ جو شخص اس حطیم (احاطے) میں دو نفل نماز ادا کرے، اللہ، اس کے سارے گناہ معاف فرما دیں گے''۔

اسی فرمانِ رسول کا نتیجہ ہے کہ جو بھی حج اور عمرہ کے لیے جاتا ہے، طواف کعبہ کے بعد حطیم میں دو نفل نماز ادا کرتا ہے۔

اخبارِ مکہ کے مصنف علامہ ازرقی لکھتے ہیں کہ۔ میزاب کعبہ کے نیچے سے حطیم کی دیوار تک کا فاصلہ، ۲۶ فٹ، ۴۔ انچ ہے۔

حَلَال: حرام کی ضد۔ اللہ، رحیم وکریم نے جس کام کے کرنے کی اجازت دی، جائز رکھا ہو۔ جس کے کرنے میں کوئی حرج نہ ہو۔ خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا عمل سے۔

کسی چیز کو حلال کرنا یا حرام قرار دینا، یہ اللہ کا حق ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز نہ حلال ہو سکتی ہے نہ حرام۔ اللہ کے سوا کسی کو، کوئی چیز حلال یا حرام کرنے کا اختیار نہیں۔

حلق: حج اور عمرہ کے حوالہ سے جب مطلق ''حلق'' کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے مراد، سر کے بال منڈوانا ہوں گے۔ حَلْق اور حَلْقِ رأس، دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ یہ حج اور عمرہ کے

مناسک میں سے ہے۔اوران کی دو اصطلاحیں ہیں۔حلقِ رأس اور قصر رأس۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلقِ رأس واجب ہے۔امام شافعی کہتے ہیں کہ رکن ہے۔

قرآن اور حدیث میں حلق کو قصر پر مقدم کیا ہے۔اس لیے حلق، قصر سے افضل ہے۔قرآن حکیم میں ہے: محلقین رؤوسکم ومقصرین قربانی کے دن (یوم النحر) قربانی کے بعد منیٰ میں حلقِ رأس یا قصر رأس کرانا ہوتا ہے۔اور عمرہ میں سعی بین الصفاء والمروہ کے بعد حلق رأس یا قصر رأس کا حکم ہے۔حلقِ رأس، تمام فقہاء کے نزدیک افضل ہے۔

خواتین کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔وہ صرف انگشت برابر بال کٹوائیں گے۔ان کے لیے حلق ممنوع ہے۔

حِلّ: حدودِ حرم سے باہر کا تمام علاقہ ''حِل'' کہلاتا ہے۔ اس کے مقابل ''حرم'' ہے۔یہ اصطلاح، احرام باندھنے والوں کے لیے ہے۔یعنی حدودِ حرم میں جو اعمال وافعال اُن کے لیے حرام ہیں، وہ جس علاقے میں جاکر جائز اور حلال ہو جاتے ہیں، وہ علاقہ اُن کے لیے ''حِل'' کہلاتا ہے۔

حَلْقِ رأس: منیٰ میں قربانی کے بعد حاجی سر کے بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں۔یہ اس پرانی رسم کی تجدید ہے کہ نذر دینے والے جب نذر پوری کر لیتے تو اپنا سر منڈا دیتے۔اس میں ایک

اور پرانی یادگار کا اشارہ بھی ہے۔تمدن کے ابتدائی دنوں میں دستور تھا کہ جو غلام آزاد کیا جاتا تھا، اس کے بال منڈوا دیے جاتے تھے۔ یہ غلامی کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ چونکہ حج خدا کی دائمی بندگی اور غلامی کا اعتراف ہے، اس لیے عہد قدیم کی اِس پرانی رسم کو باقی رکھا گیا، ہاں اگر کوئی پورا سر نہ منڈائے، محض بال ترشوانے پر اکتفا کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں محلقین (سر منڈانے والے) اور مقصرین (بال ترشوانے والے) دونوں کا ذکر ہے۔ البتہ فضیلت سر منڈانے میں زیادہ ہے۔

خ

خَذُفُ: ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کنکری رکھ کر پھینکنے کو ''خذف'' کہتے ہیں۔ اور یہ عمل، مناسکِ حج کا حصہ ہے منٰی میں حاجی کو جمرات پر کنکریاں پھینکنا ہوتی ہیں۔ انھیں اسی طرح پھینکنے کا حکم ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان میں رکھیں اور پھر انگلی کی مدد اور زور سے جمرہ کی طرف پھینکیں۔

خَلْعُ الاسنان: دانتوں کی ان کی اپنی جگہ سے نکال کر باہر رکھنا، یا ہاتھ میں لینا۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوتا ہے جب منہ میں اصلی دانت نہ ہوں، مصنوعی دانت لگے ہوں۔ صفائی کی غرض سے اُنھیں باہر۔

خَیُفُ: منٰی کے شمالی جانب پہاڑوں کے دامن میں ایک مقام، حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ (یوم الترویہ) کو یہاں قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں، اور پھر نویں ذی الحجہ کی نماز فجر، یہاں ادا کی۔

اب یہاں ایک مسجد ہے، جو مسجد خیف کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد میں نماز ادا کرنا، حضور کی سنت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے مسجد خیف (کی جگہ) اور جمرۂ صغریٰ کے درمیان اپنی قربانی کا جانور ذبح کیا۔

د، ذ

دَمُ: احرام کی حالت میں جن اعمال وافعال کی ممانعت کی گئی ہے، اگران میں سے کسی ایک کا ارتکاب ہو جائے تو اس کی تلافی کے لیے ایک جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، اُسے مسائلِ حج کی اصطلاح میں ''دَمُ'' کہتے ہیں۔

''دَمُ'' کا مطلب ہے۔بکری، گائے یا اونٹ کا ذبح کرنا، جس درجے کی کوتاہی اورحکم کی خلاف ورزی ہوگی، ایسا ہی جرمانہ بھی ہوگا۔یعنی اس کی تلافی اورکفارے میں اتنا ہی بڑا جانور ذبح کرنا ہوگا۔

اسی جرمانہ کو''دَمُ'' کہتے ہیں۔

دم، کہاں کہاں اورکن خلاف ورزیوں کے نتیجے میں لازم ہوتا ہے، اس کی تفصیل''احکام ومسائل''میں ملے گی۔

ذَاتُ عِرَق: اہلِ عراق کا میقات ہے، مکہ سے اس کا فاصلہ ۹۴ کیلومیٹر ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، مگراب ویران اورغیر آباد ہوگیا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں ہمیں کوئی روایت نبی علیہ السلام سے نہیں ملی کہ آپؐ نے اس جگہ کوعراق والوں کا میقات مقرر کیا ہو۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عراق کے علاقے میں دو نئے شہر آباد کیے گئے تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''امیرالمؤمنین۔! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجد کے لیے ''قَرْن'' کو میقات مقرر کیا تھا، وہ ہمارے راستے سے ہٹ کر ہے، وہاں جاکر احرام باندھنا ہمارے لیے بہت دشوار ہے۔ آپ ہمارے لیے کسی اور جگہ کو میقات مقرر کیجئے''۔ ان کی اس درخواست پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ''ذات عرق'' کو عراق والوں کا، اوران تمام لوگوں کا میقات مقرر کردیا جو عراق کے راستے مکہ کا سفر طے کریں۔

امام طحاوی (م:۳۲۱ھ) نے متعدد روایات نقل کی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عراق کے لیے ''ذات عرق''، میقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اس کی توجیہ امام طحاوی یوں کرتے ہیں:

''اہل شام کے لیے جحفہ کو میقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ حالاں کہ ملکِ شام دورِ نبوت میں فتح نہیں ہوا تھا۔ اطراف واکناف کے کچھ علاقے فتح ہوئے تھے، اُن لوگوں کے لیے ''اہلِ شام'' کا لفظ استعمال کرکے جحفہ کو اُن کا میقات مقرر کیا۔ اسی طرح عراق کے کچھ نواحی علاقے بھی دورِ نبوت میں فتح ہوگئے تھے، ان لوگوں کے لیے ''اہلِ عراق'' کا لفظ استعمال کرکے ''ذات عرق'' کو ان کا میقات مقرر فرمایا''۔

امام طحاوی اور امام نسائی نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

''اہل عراق کے لیے ''ذات عرق'' کو میقات خود حضور علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا''۔

ذُوالحُلیفَہ: یہ مدینہ رہنے والوں کا میقات ہے۔ اس کا دوسرا نام مسجد شجرہ ہے۔ مدینہ والے احرام یہاں سے باندھتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۹ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر درخت سمرہ کے سائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور نماز ادا کی۔ رات قیام فرمایا اور احرام باندھا۔ اس مقام پر جو مسجد تھی وہ محفوظ نہ رہ سکی۔ ۸۶۱ھ میں اس کی تجدید کی گئی۔ اس مسجد میں اسطوانہ وسطیٰ کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ شجرہ بھی اسی مقام پر تھا۔ مظہری کے بیان کے مطابق اس بڑی مسجد سے جانب قبلہ ایک دوسری چھوٹی سی مسجد ہے جو ذرا فاصلہ پر واقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ سمودی کہتے ہیں کہ اس چھوٹی مسجد کو ''مسجد العرس'' کہتے ہیں۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قبیلہ بنی جشم کے لوگ پانی لیا کرتے تھے۔ یہ جگہ آج کل ''بیرِ علی'' کے نام سے موسوم ہے اور وادی عتیق میں ہے۔ یہ مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ ۲۰۰۱ء میں یہاں پر حجاج اور عام لوگوں کے لیے باہر پانی کے نل لگا دیئے گئے ہیں۔

بڑی مسجد میں نہانے اور وضو کرنے کے لیے مردوں اور عورتوں کا علیحدہ علیحدہ انتظام ہے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آنے والی ہر بس اور ٹیکسی یہاں ٹھہرتی ہے۔ تاکہ سب وہاں احرام باندھ لیں۔

ر

رَابِغ: شام اور ترکی کے لوگوں کے لیے ابتداء میں میقات ''جحفہ'' تھا۔ ایک عرصے تک قریش کے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ اور مرکز رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہاں کی نہ صرف مرکزیت ختم ہوگئی بلکہ ایک بستی اور آبادی کی حیثیت بھی ختم ہوگئی۔ اور علاقہ ویران ہوگیا۔ اس کے قریب ایک دوسری بستی تھی، ''رابغ'' وہاں سے شام کے لوگوں نے احرام باندھنا شروع کر دیا۔

جحفہ کا فاصلہ، مکہ سے ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) کلومیٹر تھا، رابغ، شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے تھوڑا پہلے ہے۔ اس کا فاصلہ، مکہ سے ۲۰۲ کلومیٹر ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ رابغ سے احرام باندھتے ہیں وہ گویا جحفہ سے کم و بیش سولہ کلومیٹر پہلے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اور احرام باندھنے میں تقویم افضل اور مستحسن ہے۔

رَاحِلَة: دورِ نبوی میں اس مضبوط اور قوی اونٹ کو کہا جاتا تھا جو سواری کے لیے استعمال ہو۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں کو ایک وقت میں ایسا پاؤ گے کہ وہ ایسے سو اونٹوں کی طرح ہوں گے جن میں سواری کے قابل ایک بھی نہ ہوگا''۔

اب تو حالات بالکل بدل گئے۔اب اونٹوں پر کون سفر کرتا ہے۔
اب تو اونٹوں کی جگہ موٹروں نے لے لی ہے۔اور ہر سواری کو ''راحلہ'' کہا جانے لگا۔
جس چیز کو بھی آپ سفر اور آمدورفت کے لیے استعمال کریں گے، اُسے ''راحلہ'' کہا جائے گا۔

رِدَاُء: بغیر سِلا کپڑا، جس سے جسم کو ڈھانپا جا سکے۔ اردو میں چادر کہتے ہیں۔دیکھیے: ''اضطباع'' کے ذیل میں۔

رَفَث: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''جو بات، یا جو عمل، مرد کو عورت کی طرف مائل کرے، وہ رَفَث ہے''۔
بعض ماہرینِ لغت نے کہا: عورتوں سے بے حجاب ہوتا، اِختلاط کرنا، بے پردہ اور بے تکلف ہونا، ''رَفَث'' ہے۔''
قاضی بیضاوی نے ''رفث'' کے یہ معنیٰ بیان کیے: ''جس چیز کو اشاروں کنایوں میں بیان کرنا چاہیے، اسے کھول کر بیان کر دینا''۔
بعض اُئمہ لغت نے یہ تعریف کی: ''رَفَث' ایسا کلمہ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی مرد، عورتوں سے خواہش رکھتے ہیں''۔
لغتِ قرآن کے ماہر امام راغب اصفہانی نے زیادہ وضاحت سے کام لیا، انہوں نے کہا: ''رفث'' وہ کلام ہے جو جماع اور جماع کے تقاضوں پر مرد کو اُبھارے، اور جن کو شائستگی کے

خلاف سمجھا جاتا ہو''۔

قرآنی آیت: ''**فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج**'' (بقرہ، ۱۹۷) میں اکثر مفسرین کے نزدیک ''رفث'' سے مراد، جماع ہے۔ مُحرم، اگر حالتِ احرام میں ''رفث'' کا ارتکاب کرے تو اس کا احرام ختم ہو جائے گا۔ اس احرام سے وہ نہ عمرہ کر سکے گا، نہ حج۔

رُکن: ''ارکان'' کا مفرد ہے۔ کسی چیز کا ایک حصہ، ایک جزو۔ ایسا حصہ، جس کی وجہ سے اصل چیز قائم ہو۔ اس حصے کو الگ کر دینے سے وہ چیز ختم ہو جائے یا نامکمل ہو جائے۔ مزید دیکھیے: ''ارکانِ حج''۔

رُکن یمانی: بیت اللہ شریف کے چار کونے چار ارکان کہلاتے ہیں اور ہر ایک الگ نام سے موسوم ہے۔ مشرقی کونہ حجرِاسود کے نام سے موسوم ہے، شمال مشرقی رکن عراقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شمال مغربی کونہ رکن شامی یا غربی کہلاتا ہے، جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں۔

امام سہیلیؒ اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس معمار نے یہ گوشہ تعمیر و مرمت کیا تھا اس کا نام ابی بن سالم تھا، اور وہ یمن کا باشندہ تھا، اسی کے نام سے رکن یمانی مشہور ہو گیا۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر

فرمایا تھا۔ چار ارکان پر مشتمل تھا، اور آپ طواف کے دوران ان سب کا استلام کرتے تھے۔ لیکن قریش کی تعمیر کے وقت خرچہ کی کمی کے باعث بیت اللہ شریف کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ گویا کہ رکن عراقی اور شامی قواعد ابراہیم کے مطابق نہ رہے، اور اس حصہ کی نصف دائرہ کی صورت میں نشان دہی کے لیے دیوار بنا دی گئی، جسے حطیم کہا جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود اور رکنِ یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا، لیکن رکن شامی اور عراقی چونکہ قواعد ابراہیم کے مطابق نہیں ہیں اس لیے آپ نے ان کا استلام نہیں کیا''۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں کبھی بھی ترک نہیں کیا، جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے، ہم اس کا اہتمام کرتے ہیں''۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، رکن، حجر اسود دو فضیلتوں کا حامل ہے اس لیے اس کا استلام بوسہ دے کر یا ہاتھ سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ ایک فضیلت اس میں یہ ہے کہ قواعد ابراہیمی کے مطابق ہے، اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس رکن یمانی میں صرف ایک فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ قواعد ابراہیمی پر قائم ہے لہٰذا اس کا استلام صرف ہاتھ لگا کر کیا جائے، بوسہ نہ دیا جائے۔

اور دوسرے دونوں رکن قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لیے ان کا استلام نہ کیا جائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رکن یمانی پر ۷۰ فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں یہ دعا پڑھتے ہوئے گزرے **اللھم انی اسئلک العفو والعافیة فی الدنیا والاخرة ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار** ۔تو فرشتے آمین کہتے ہیں''۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ بڑی کثرت سے رکن یمانی کا استلام کرتے ہیں۔؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو جبرئیل کو موجود پایا، جو استلام کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں''۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: رکن یمانی اور حجرا سود جنت کے دو دروازے ہیں''۔

رَمَلْ: جھپٹ کر چلنا اور زور سے قدم اٹھانا مگر نزدیک نزدیک رکھنا اور پھر کندھوں کو پہلوانوں کی طرح ہلانا، ''رمل'' کہلاتا ہے۔ شانے ہلا کر تیز چلنا جس سے قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل سنت ہے (عورتوں کے لیے نہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ آتے تو طواف شروع کرتے وقت پہلے حجراسود کو چومتے اور سات پھیروں میں سے پہلے تین پھیروں میں تیز چلتے''۔

اگر ایک پھیرا معمولی چال سے طواف کر کے یاد آیا تو پھر صرف دو پھیروں میں رمل کرے اور اگر تین پھیروں کے بعد یاد آیا تو پھر رمل نہ کرے۔ ہجوم کی وجہ سے اگر رمل نہ کر سکے تو ٹھہر جائے جب راستہ صاف ہو جائے تو پھر رمل کرے تاکہ اس کو سنت کے مطابق کرے۔ کیونکہ رمل کا کوئی بدل نہیں ہے۔ برخلاف حجراسود کو استلام کرنے کے۔ کیونکہ حجراسود کا استلام کرنے کے لیے رکنا جائز نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ (عمرۂ قضاء ۷ھ میں) مکہ مکرمہ آئے تو مشرک آپس میں کہنے لگے'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ لوگ ہیں جن کو مدینہ منورہ کے بخار نے ناتواں کر دیا ہے''۔ پھر ان کی بات کو غلط ثابت کرنے کے لیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابؓ کو یہ حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں اور رکن یمانی اور حجراسود کے درمیان معمولی چال چلیں۔ کیونکہ اس وقت مشرک قیقعان پہاڑ کی طرف کھڑے تھے اور ان کی نظر رکن یمانی اور حجراسود کے درمیان نہیں پڑتی تھی اور رمل اس لیے اختیار کیا گیا کہ مشرک لوگ مسلمانوں کی قوت دیکھ لیں (یعنی

کمزور اور ناتواں نہ سمجھیں) اور سارے پھیروں میں آپ نے رمل کا حکم نہیں دیا اس لیے کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔

رَمْیِ جِمَار: لغت میں ،رمی'' کے معنیٰ'' پھینکنا اور نشانہ لگانا'' اور اصطلاح میں رمی سے مراد حج کا وہ عمل جس میں حاجی منیٰ کے میدان میں پتھر کے تین ستونوں (شیطانوں) پر کنکریاں مارتا ہے۔ جمار یا جمرات جمع ہے جمرہ کی۔ جمرہ کنکری کو کہتے ہیں تو رمی جمار کا مطلب ہوا'' کنکریاں پھینکنا''۔

دراصل منیٰ کے میدان میں ستون بنے ہوئے ہیں وہ'' جمرے'' نہیں ہیں بلکہ'' جمرات'' وہ جگہ ہے جو ان ستونوں کی جڑ کے نیچے ہے اور جن پر ستون بنے ہوئے ہیں۔

کنکریاں مارنا سنت ابراہیمی ہے۔جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے لے کر چلے تو شیطان نے ان تین موقعوں پر ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ انہوں نے اس کو ان جگہوں پر رجم کیا جس کے لفظی معنی کنکریاں مارنے کے ہیں، جو کہ پہلے زمانہ میں لعنت کے اظہار کا طریقہ تھا۔ اسی لیے شیطان کو رجیم یعنی کنکریاں مارا گیا کہتے ہیں۔

ان تین مقامات کو جہاں پر وہ تین مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا تھا مندرجہ ذیل ناموں سے یاد کیا جاتا ہے:

۱۔ جمراۃ الاولیٰ	چھوٹا شیطان
۲۔ جمراۃ الوسطیٰ	درمیانہ شیطان

۳۔ جمراۃ العقبہ بڑا شیطان

یہ نام اس لیے ہیں کہ پہلی جگہ پر وہ ایک چھوٹے بچے کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور پھر دوسری جگہ ایک نوجوان کی شکل میں اور تیسری جگہ ایک بوڑھے کی شکل میں۔ اسی لیے چھوٹا، درمیانہ اور بڑا شیطان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ ان مقامات پر ہر ایک پر مختلف اوقات اور دنوں میں سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

کنکریاں جس جگہ سے چاہیں لیں سوائے جمرات کے پاس سے، کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ جمرہ کے پاس جو کنکریاں ہیں، رد کردی گئی ہیں۔ ان کے لینے میں شومی ونحوست شمار ہوگی یعنی جس بندہ کا حج قبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں رد کردی جاتی ہیں تو ان کو لینا منحوس ہے۔

پہلے دن یعنی ۱۰ ذی الحج (یوم النحر) کے دن صرف جمرۃ العقبہ کو کنکریاں مارنی ہیں۔

دوسرے دن یعنی ۱۱ ذی الحج کو تینوں جمرات کو کنکریاں مارنی ہیں۔

(اور اگر ۱۳ ذی الحجہ کو ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر اسی طرح تینوں کوری کرنی ہے۔)

ہر جمرہ کو ساتھ کنکریاں مارنی ہیں۔ ہر کنکری چنے کے برابر ہو اور پوروں سے پھینکی جائیں۔

کنکریاں مارتے وقت اس طرح کھڑے ہوں کہ بیت اللہ کو بائیں طرف اور منیٰ کو دائیں طرف رکھ کر ماریں۔ ہر کنکری

مارتے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر پڑھیں۔کنکریاں پھینکتے وقت فاصلہ کی مقدار یہ ہو کہ پھینکنے والے اور کنکری گرنے کی جگہ (یعنی جمرات) کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو (کم از کم) بمطابق ابوحنیفہؒ اگر اس فاصلہ سے کم ہو تو کنکری اس حصہ میں ڈال دینے کے برابر ہوگا اس کے علاوہ اگر کنکری جمرات سے دور جا پڑی تو وہ کافی نہیں، اس کی بجائے دوسری کنکری پھینکنا واجب ہے۔

یاد رہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو صرف جمرۃ العقبیٰ کو کنکریاں مارنے کے بعد وہاں کھڑے نہیں ہونا۔واپس آکر اپنے خیمہ میں دعا مانگنی ہے۔

۱۱۔۱۲ ذی الحجہ کو پہلے جمرۃ اولیٰ کو کنکریاں مار کر قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں۔پھر جمرۃ الوسطیٰ کو کنکریاں مار کر دعا مانگیں۔پھر جمرۃ العقبیٰ پر کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھہریں اور واپس آکر دعا مانگیں۔

ز

زَمَان: طویل وقت، لمبی مدت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السماوات والارض** ''۔(زمانہ، اسی شکل اور ہیئت پر لوٹ آیا جیسا اُس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔)

محدود وقت اور مدت پر بھی ''زمانہ اور زمان'' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

زَمْ زَم: مسجد حرام کا یہ کنواں ''بئر اسمٰعیل'' بھی کہلاتا ہے۔ کعبہ کے جنوب مشرقی سمت میں جدھر حجر اسود ہے، واقع ہے۔ اب اس مقام پر ایک دائرہ میں ''بئر زمزم'' لکھا ہوا ہے۔کبھی یہاں ایک خوبصورت گنبد یا سائبان ہوا کرتا تھا اب یہ حصہ پاٹ کر مطاف میں شامل کرلیا گیا ہے۔زیر زمین ٹیوب کے ذریعہ مطاف کے کنارے پانی پہنچادیا جاتا ہے۔یہاں ایک بڑا تہہ خانہ ہے جو دو حصوں میں تقسیم ہے۔ایک مردوں کے لیے اور دوسرا عورتوں کے لیے۔پچیس تیس سیڑھیاں اتر کر نیچے جانا پڑتا ہے۔جہاں بیسیوں ٹوٹیاں لگی ہیں۔پانی پینے اور وضو کرنے

کا بہترین انتظام ہے۔ وہیں ایک شیشہ کے کمرے میں ایک انجینئر کنویں سے نکالے جانے والی مقدار کا حساب نوٹ کرتا ہے۔ یہیں ٹیوب ویل جیسا نکاسی کا انتظام ہے۔

زمزم ''چشمۂ آبِ بقا'' ہے۔ شیر خوار اسمٰعیلؑ نے جس مقام پر جاں بلب کیفیت میں ایڑیاں رگڑی تھیں وہاں حضرت جبرئیلؑ نے اپنی ایڑی ماری تو پانی کا جھرنا پھوٹ پڑا۔ حضرت ہاجرہؓ پریشان ہوکر پانی جمع کرنے لگیں۔ ''زمزم زمزم'' کے الفاظ بے اختیار ان کی زبان سے نکلے جس کے معنی ''ٹھہر ٹھہر، وافر پانی، کثیر (بہت) چھوٹے چھوٹے جرعوں میں پینا'' کے ہیں۔ انہوں نے اس کے اردگرد مینڈھ باندھی تاکہ پانی محفوظ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ام اسمٰعیلؑ اگر پانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو پانی جاری رہتا''۔

پانی کے نکل آنے پر بنی جرہم کے لوگ حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے یہاں آباد ہوئے۔ یہ تقریباً چار ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ کچھ صدیوں بعد اس کے سوتے خشک ہوگئے اور کچھ عرصہ پانی بند ہوگیا جب بنی جرہم کو مکہ سے نکالا گیا تو انہوں نے اس کنویں کو پاٹ دیا۔ عرصہ تک اس کا پتا نہ لگ سکا۔ اس جگہ نائلہ نامی بت رکھ دیا گیا۔ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں حضرت عبدالمطلب نے خواب میں اشارہ پاکر اسے دوبارہ کھولا۔ اس میں سے خزانہ بھی نکلا۔ دو طلائی ہرن کچھ تلواریں اور زرہ بکتر۔ ایک طلائی ہرن بیچ کر کعبہ کا دروازہ بنایا اور اس پر سونے کا پترا چڑھایا۔

دوسرا کعبہ میں رکھ دیا گیا۔ پانی سے تمام لوگ فائدہ اٹھانے لگے۔ کنویں کے گرد اینٹوں کی دیوار تعمیر کی گئی۔ وہ دن اور آج تک اس میں سے برابر پانی نکل رہا ہے۔ قریش نے اس کام کے لیے ''سقایہ'' کا منصب قائم کر رکھا تھا۔

چاہ زمزم کی گہرائی ۱۴۰ فٹ بتائی جاتی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں اس کی صفائی کی گئی۔ اس کے بعد سعودی دور میں جدید مشینری سے صفائی ہوئی۔ دو غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پہلی بار کوئی انسان اس چشمے کے اندر داخل ہوا۔ اس کے انجینئر یحییٰ کوشک نے بتایا کہ چشمے کے اندر ایک بڑی چٹان پر ''باذن اللہ'' لکھا ہے۔ چٹانوں سے یہ چشمہ پھوٹتا ہے۔ ان پر رنگ برنگی مٹی کی تہیں جمی ہوئی ہیں جس سے قدرتی طور پر پانی کی فلٹریشن ہوئی ہے۔

۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء میں پانی اس درجہ بڑھ گیا کہ چاہ زمزم چھلک کر بہہ نکلا۔ اب اس کی سطح ۷ اگز پر ہے۔ پانی کسی قدر نمکین ہے۔ کچھ کچھ چکناہٹ بھی ہوتی ہے۔ اس طرح ذائقہ خوشگوار ہے۔ قدرتی طور پر ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے اور جسم کے لیے صحت مند ہے۔ ایک مصری ڈاکٹر نے سائنٹفک اصول پر اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا اور بے شمار فوائد بیان کیے ہیں۔ یہ پانی نہ سڑتا ہے اور نہ اس میں بو پیدا ہوتی ہے۔ مہینوں بلکہ برسوں خراب نہیں ہوتا۔ ارشاد نبوی ہے:

۱۔ دنیا میں بہترین پانی زمزم کا ہے۔

۲۔ زمزم پیٹ بھرنے والی غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے۔

۳۔ جہنم کی آگ اور زم زم کا پانی دونوں انسان کے شکم میں جمع نہیں ہو سکتے۔

عام طور پر پانی کو بیٹھ کر پینے کا حکم ہے، لیکن زمزم کے لیے قبلہ رو کھڑا ہو کر نوش کرنے کا حکم ہے۔

زَوَال: سورج کا غروب کی طرف مائل ہونا، ڈھل جانا، مَناسکِ حج کی ادائیگی کے ذکر میں بار بار آیا کہ: ''**بدأ وقوفه بعرفة بعد الزوال**''۔ (حضور علیہ السلام نے زوالِ آفتاب کے بعد، عرفہ میں قیام کی ابتداء کی۔)

مطلق ''زوال'' کسی کام کے انحطاط اور خرابی کی طرف جانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

اردو زبان میں یہ لفظ انہی معنیٰ میں استعمال ہے۔ کہتے ہیں: ''فلاں قوم زوال پذیر ہے''۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ انحطاط، خرابی اور گراوٹ کی طرف جا رہی ہے۔

س

سعی: لُغت میں سعی کے معنی ''اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا، وغیرہ ہیں۔ شرع کی اصطلاع میں ''سعی'' سے مُراد حج کا وہ عمل (واجب) ہے جس میں زائرین حجاج سنتِ ہاجرہؓ اور خداوند کریم کے حکم کو بجالانے کے لیے صفا و مروہ کے درمیان سات بار آتے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی فاران میں چھوڑ گئے تو ابھی وہ دودھ پیتے بچے ہی تھے۔ جب ماں بیٹے کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا اور بچہ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگا تو حضرت ہاجرہؓ انتہائی بے چینی اور بے قراری کی حالت میں انہی دو پہاڑیوں (صفا، مروہ) کے درمیان ادھر سے اُدھر پانی کی تلاش میں دوڑتی تھیں۔ جب ساتویں دفعہ مَروہ پر پہنچیں تو اُنھیں وادی میں پانی نظر آیا جسے زم زم کہتے ہیں۔ انہی کی یاد تازہ کرنے کے لیے یہ عمل واجب ہے۔

صفا، مروہ کے درمیان تقریباً ۲ فرلانگ کا فاصلہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جب یہ سعی ہوتی تھی تو اُس وقت صفا و مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں (اسافؔ کا بُت صفا پر تھا اور نائلہؔ کا مروہ پر) چکروں

کے دوران اُن بتوں کی تعظیم کے لیے یہ اُن کو مَس کرتے تھے۔ اس لیے بعض مسلمانوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسومِ جاہلیت اسلام میں گناہ ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ شبہ رفع فرمانا مقصود تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

ان الصفا والمروة من شعآئر الله فمن حج البيت او اعتمر فلاجناح عليه ان يطوف بهما ومن تطوع خيرا فان الله شاكر عليم (البقرہ۲/ ۱۵۸)

[صفا اور مروہ، یقیناً اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے۔ اور جو شخص رضا و رغبت کے ساتھ کوئی نیک کام کرے گا، اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔]

صفا سے اس لیے شروع کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''تم شروع کرو، جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا: ''یعنی افعال حج ادا کرنا شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے بیان شروع کیا، بقولہ تعالیٰ: **ان الصفا و المروة من شعآئر الله** ۔۔الخ (البقرہ: ۱۵۸) اور صفا سے شروع کرنا واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بابِ بنی مخزوم سے جس کو باب صفا کہتے ہیں صرف اِسی وجہ سے نکلے کہ جملہ ابواب سے یہ باب کوہ صفا سے بہت نزدیک ہے تو اسی کی پیروی کرنا ہمارے لیے مستحب ٹھہرا۔

سعی کی ابتدا صفا سے کی جاتی ہے اور مروہ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے سات پھیرے ہیں۔طواف اور سعی مسلسل ہو (درمیان میں وقفہ نہ ہو) اگر درمیان میں وقفہ پڑ گیا تو سنت رہ جائے گی۔ اس کی کوئی جزا نہیں۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے طواف کے فوراً بعد نہ کر سکیں تو کوئی حرج نہیں۔طواف اور سعی کے دوران اگر نماز شروع ہو جائے تو نماز میں شامل ہو جائے۔ اور جہاں سے چھوڑا تھا، وہ نماز سے فارغ ہو کر پورا کرے۔

واجباتِ سعی:

(۱) سعی کا ایسے طواف کے بعد ہونا جو جنابت وحیض و نفاس (حدثِ اکبر) سے پاک ہو۔

(۲) سعی کے سات چکر پورے کرنا (سعی کے پہلے چار چکر (رکن) فرض ہیں۔ اور بعد کے تین چکر واجب ہیں۔

(۳) اگر کوئی عذر نہ ہو تو سعی میں پیدل چلنا۔

(۴) عمرہ کی سعی کا احرام کی حالت میں ہونا۔

(۵) صفا اور مروہ کے درمیان کا پورا فاصلہ طے کرنا۔

(۶) ترتیب یعنی صفا سے شروع اور مروہ پر ختم کرنا۔

صفا اور مروہ کے درمیان، سات پھیرے مسلسل اور وقفے کے بغیر لگانا اگرچہ شرط نہیں ہے مگر سنت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے اسی طرح وقفے کے بغیر لگائے جیسے طواف کے ساتھ چکر ہوتے ہیں۔

صفا اور مروہ کے درمیان جب وہ جگہ آنے لگے جہاں دیوار میں

سبز رنگ کے ستون لگائے ہوئے ہیں اور بقدر چھ ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جائے تو تیز چلنا شروع کرے اور دوسرے سبز ستون کے بعد بھی چھ ہاتھ تک تیز چلتا رہے، پھر اپنی چال چلنے لگے۔ خیال رہے کہ تیز دوڑنا مسنون نہیں ہے بلکہ متوسط طریقہ سے اتنا تیز چلنا چاہیے کہ رمل سے زیادہ اور بہت تیز دوڑنے سے کم رفتار ہو۔ بعض لوگ تمام سعی میں جھپٹ کر چلتے ہیں اور بعض سبز ستون کے درمیان بہت تیزی سے دوڑتے ہیں، یہ دونوں باتیں غلط اور بُری ہیں لیکن اس سے دم یا صدقہ واجب نہیں ہوتا۔

سبز ستونوں کے درمیان تیز چلنا صرف مَردوں کے لیے ہے دیکھا گیا ہے کہ بعض خواتین بھی تیز تیز چلنا شروع کر دیتی ہیں، ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی معمول کی رفتار سے اور باوقار طریقے سے چلیں۔

سَفَرْ: دُور کی مسافت قطع کرنے کا نام سفر ہے۔ اصل میں سفر کے معنے پردہ ہٹانے کے ہیں۔ سفر کو سفر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں یہ معنے محفوظ ہیں۔ علامہ ابن سید الناس المحکم میں لکھتے ہیں۔ اس نام سے سفر اس لیے موسوم ہوا کہ جس طرح ہوا سوکھے پتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتی اور لے جاتی ہے، متفرق کرتی ہے اسی طرح سفر میں بھی آدمی، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اور امام ابو منصور ازہری فرماتے ہیں کہ: سفر کا نام اس لیے سفر پڑا کہ وہ مسافروں کے رُخ اور ان کے اخلاق

کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جو بات چھپی ہوتی ہے وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور قانون کی زبان میں سفر سے خاص قسم کی قطع مسافت مراد ہے، جس سے احکامِ شرعیہ متغیر ہو جاتے ہیں۔ ائمہ احناف کے نزدیک جس سفر سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان تین دن رات کی مسافت کا ارادہ کرے۔ مسافت اونٹ کی رفتار سے ہو یا پیادہ روی سے۔ پھر چال درمیانی ہو۔ یہی امام سفیان ثوری اور امام حسن بن صالح کا مسلک ہے۔ ابوبکر الجصاص لکھتے ہیں کہ: لغت اور زبان کی مدد سے سفر کی مدت متعین نہیں ہوسکتی، اس کا تعلق لوگوں کے عرف اور عادت سے ہے، عرف و عادت سے متعلق چیز کی تحدید ناممکن ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ سفر کے معنے کھولنے کے ہیں اور کسی دُور مقام کی طرف جانے کو سفر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں مسافر کے احوال واخلاق کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور ظاہر ہے اخلاق واحوال کی نمائش کے لیے ذرا وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخلاق واحوال کا پتہ گھنٹوں میں نہیں بلکہ دنوں میں لگتا ہے، عرف میں بھی قریب کی مسافت کو سفر نہیں بلکہ دُور کی مسافت کو سفر کہتے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تین دن کی مسافت، سفر صحیح ہے اور اس سے کم پر اختلاف ہے۔ اس کی تائید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد سے ہوتی ہے جو بحوالہ ابن عمر مروی ہے کہ عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ اصل سفر تین دن ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ان احکام وقوانین کی نشان دہی کی ہے جو

سفر کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً نماز کا قصر کرنا، روزے میں افطار کا مباح ہونا، موزوں پر مسح کی مدت کا تین دن ہونا، جمعہ عیدین اور قربانی کا واجب نہ ہونا، بغیر محرم کے آزاد عورت کا گھر اور شہر سے نکلنا حرام ہونا۔

فقہی مسالک کی رو سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اپنے شہر اور جگہ سے اڑتالیس میل دور جانے والا مسافر کہلائے گا، اور امام شافعی کے نزدیک چھتیس میل جانے والا مسافر شمار ہوگا۔

پھر جس جگہ جا رہا ہے وہاں کی مدت قیام پندرہ دن سے زیادہ نہ ہو۔ نماز میں قصر کی سہولت، اور رمضان میں روزہ قضا کرنے کی سہولت اسی صورت میں ملتی ہے جب فاصلہ اڑتالیس میل سے زیادہ ہو (فقہِ حنفی کے مطابق) اور جہاں جا رہا ہے وہاں ٹھہرنے کی مدت، پندرہ دن سے کم ہو۔

سُنَّۃ: لغت میں ''سنت''، سیرت اور طریقہ کو کہتے ہیں۔ وہ طریقہ، اچھا ہو یا بُرا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من سن سنة حسنه فله اجرها واجر من عمل عمل بها، ومن سن سنة سيئة فعمل بها بعدهٗ كتب له مثل وزر من عمل بها''

[جس نے کوئی بہترین اور اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کے لیے بھی اجر ہے اور جو اس پر عمل کرے گا، اس کے اجر میں بھی اس کا حصہ ہے۔ اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اور دوسرے لوگوں

نے بھی اس پر عمل کیا، تو انہی جیسی برائی اس کے کھاتے میں بھی لکھی جائے گی۔]

اہل ایمان کے عرف اور اصطلاح میں، سیدھے اور پسندیدہ راستے اور طریقے کو ''سنت'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔'' فلاں اہل سنت میں سے ہے''

قرآن حکیم میں بھی طریقے اور دستور کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

مثلاً:

سنة الله التى قدخلت من قبل، (فتح (۴۸) ، ۲۳)

ولن تجد لسنة الله تبديلاً ۔ (۴۸/۲۳)

سنت کی فقہی تعریف یہ ہے کہ۔ وہ عمل، جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کے ساتھ کیا ہو۔لیکن کسی عذر کے بغیر کبھی کبھار اُسے چھوڑ بھی دیا ہو۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ہر وہ عمل، جس کا پسندیدہ ہونا نبی علیہ السلام کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہو''۔

یہ بھی تعریف کی گئی: نبی علیہ السلام کا وہ قول جو وحی متلو نہ ہو۔ نیز فعل اور اقرار، وہ قول یا فعل، جو معجزہ نہ ہو۔

وہ فعل جس کے کرنے پر ثواب ملے اور ترک کرنے پر مؤاخذہ نہ ہو۔

سُنَنِ حَجّ: ا: حج افراد کرنے والے آفاقی اور قارن کو طواف

قدوم کرنا۔

۲: طوافِ قُدوم میں رَمَل کرنا، اگر اِس طواف میں رَمَل نہ کیا ہو تو طوافِ زیارت یا طوافِ وَداع میں کرنا۔

۳: امام کا تین مقامِ پر خطبہ پڑھنا، ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ میں، ۹ ذی الحجہ کو مسجدِ نَمرہ میں جمع بین الصلوٰتین سے پہلے، اور ۱۱ ذی الحجہ کو منٰی میں۔

۴: ۹ ذی الحجہ کی رات کو منٰی میں قیام کرنا۔

۵: ۹ ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد منٰی سے عرفات کو جانا۔

۶: عرفات سے امام کی روانگی کے بعد روانہ ہونا۔

۷: مُزدلفہ میں عرفات سے واپسی پر رات کے وقت ٹھہرنا۔

۸: عرفات میں غسل کرنا۔

۹: منٰی کے ایام میں رات کو منٰی میں رہنا

۱۰: منٰی سے مکہ واپسی کے وقت، مُحصب میں ٹھہرنا، چاہے بہت کم وقت کے لیے ہو۔

سُنت کا حکم یہ ہے کہ ان کو قصداً چھوڑنا بہت بُرا ہے، ان کے کرنے سے بہت اجر وثواب ملتا ہے، اگر ان میں سے کوئی ترک ہو جائے تو اس کی جزا لازم نہیں آتی۔

ش

شَاۃ: غنم، اردو میں بکری یا بکرا کہا جاتا ہے۔ بکری، بکرا، بھیڑ اور دنبہ۔ سب کا ایک حکم ہے۔ مختلف معاملات میں ذبح کیے جاتے ہیں۔

مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران جو کوتاہیاں اور لغزشیں ہوتی ہیں، جنھیں اصطلاحاتِ حج میں ''جنایت'' کہا جاتا ہے۔ کسی جنایت کی صورت میں کہتے ہیں کہ: اس پر ''دم'' لازم ہوگیا۔ ''دم'' سے مراد، دوصورتوں کے علاوہ۔ ذبحِ شاۃ ہے۔ یعنی بھیڑ، بکری یا دنبہ کا ذبح کرنا، اس کی قربانی کر کے گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دینا۔

جن دوصورتوں میں ذبحِ شاۃ کافی نہیں ہوتی، وہ دوصورتیں یہ ہیں کہ:

۱: وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کر لینا۔

۲: جنابت (ناپاکی) کی حالت میں طوافِ کعبہ کرنا۔

اِن دونوں صورتوں میں بکرا، دنبہ یا بھیڑ ذبح کرنا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ گائے یا اونٹ کی قربانی دینی پڑے گی، اور وہ ان دونوں جنایات کا دم ہوگا۔

شَرُط: جس کے بغیر چیز مکمل نہ ہو۔لیکن وہ چیز ،اس اصل چیز سے الگ اور خارج ہو،جس کا مکمل ہونا اس پر موقوف ہو۔
جیسے وضو،نماز کے لیے ضروری ہے،وضو کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ حالاں کہ وضو،نماز سے الگ ایک فعل ہے۔اسی کو''شرط'' کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں:

شرطِ اداء: ایک چیز کا صحیح ہونا،اس کے وجود پر مدقوف ومنحصر ہو۔
جیسے ابھی مثال دی کہ وضو کا ہونا،نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے۔یا یوں کہیئے کہ نماز کا صحیح ہونا،وضو کے متحقق ہونے پر مدقوف ہے۔

شرطِ وجوب: ایک چیز،کسی دوسرے فعل کو واجب اور لازم کرنے کے لیے ضروری ہو۔جیسے حج اور نماز کے واجب ہونے کے لیے عقل اور بلوغ شرط ہے۔ایک شخص میں عقل نہیں،پاگل اور دیوانہ ہے یا نابالغ ہے،اس پر نہ حج فرض ہوگا نہ نماز۔

شِعَارُ: علامت،امتیازی نشان۔تلبیہ،حج اور عمرہ کے شعار میں سے ہے۔یعنی ایک ممتاز اور نمایاں علامت،نشانی،
اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں جو کام کیا جائے،اُسے بھی ''شِعَارُ'' کہتے ہیں۔شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

شَعِث": نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی صفات میں ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ۔فرمایا: من اغبر رأسہٗ وانتف شعرہٗ وجف ولم یدھنہ''۔جس کے سر کے بال غبار آلودہ ہوں، نہ ان میں تیل ہو، نہ کنگھی ،بکھرے ہوئے ہوں ۔ایسے شخص کو''شعث'' کہتے ہیں ۔مطلب یہ کہ اللہ کے گھر حاضری دی ہے،صرف اللہ کی رضا کا طالب ہے ۔اپنی جان ،لباس ،زیب و زینت ،راحت و آسائش کسی چیز کی فکر نہیں ۔رضائے الٰہی کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

شرائطِ وجوبِ حج: شرط، اسے کہتے ہیں کہ جس کے پائے جانے پر کسی چیز کا وجود میں آنا موقوف ہو۔لیکن شرط ،اس چیز کا حصہ نہیں ہوتی ،اس سے خارج ہوتی ہے۔

حج کے واجب ہونے کی کچھ شرطیں ہیں ،وہ جس شخص میں پائی جائیں گی ،اس پر حج واجب ہوگا۔یہ شرائط سات ہیں ۔ان میں سے اگرکوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حج واجب نہ ہوگا۔حتیٰ کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو حج کرانا ،یا مرنے سے پہلے اپنی طرف سے کسی کو حج کی وصیت کرنا بھی واجب نہ ہوگا۔

شرائط کی تفصیل ،اس طرح ہے:

پہلی شرط : اسلام ہے۔ یہ صرف حج کے ساتھ مخصوص نہیں ،تمام عبادتوں کے لیے ہے،خواہ نماز ہو،روزہ ہو،زکوٰۃ ہو۔کافر پران میں سے کوئی بھی عبادت فرض نہیں ۔

اگر کسی کافر نے حج کرلیا اور بعد میں وہ مسلمان ہوگیا تو اس کا یہ حج معتبر نہ ہوگا۔ اس میں جب بھی وہ شرائط پائی جائیں گی جن کی بنیاد پر حج فرض ہو جاتا ہے، اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

دوسری شرط: بالغ ہونا۔ نابالغ پر حج فرض نہیں۔ اگر نابالغ نے اپنے والدین کے ساتھ حج کرلیا تو حج تو صحیح ہو جائے گا۔ لیکن بالغ ہونے کے بعد، فرضیتِ حج کی شرائط پائی گئیں تو دوبارہ فریضۂ حج ادا کرنا پڑے گا۔ بلوغت سے پہلے کا کیا ہوا حج کافی نہ ہوگا۔

تیسری شرط: عاقل ہونا، مجنون پر حج فرض نہیں۔

چوتھی شرط: آزاد ہونا، غلام اور کنیز پر حج فرض نہیں، چاہے وہ کسی بھی قسم کا غلام ہو۔
اگر وہ مکہ میں رہتا ہے تب بھی اس پر حج فرض نہیں ہے۔

پانچویں شرط: وقت ہے، وقت سے مراد حج کے مہینے۔ یعنی شوال، ذی قعدہ، اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ یہ وقت ان لوگوں کے لیے ہے جو مکہ مکرمہ سے اتنی مسافت پر رہتے ہیں کہ ان دنوں میں اپنے وطن سے روانہ ہوکر مکہ مکرمہ پہنچ سکیں، اگر اتنے عرصے میں بھی پہنچنا ممکن نہ ہو تو پھر حج سے پہلے اتنا وقت معتبر ہوگا، جس میں حاجی اپنے گھر سے مکہ تک پہنچ سکے۔

ہمارا دین، آسان دین ہے۔ اپنے ماننے والوں کو ہر طرح کی سہولت دی۔ الحمدللہ، آج صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کے ہر حصے

الله

[illegible]

ص

صَاُع: اہل مدینہ کا ایک پیمانہ (اُس دور میں) مُدّ، رطل اور صَاُع، یہ اہل عرب کے پیمانے تھے۔ ہمارے یہاں رائج پیمانوں کے حساب سے ایک صاع، ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے۔

صَخَرَاُت: بڑے بڑے پتھر۔ صخرات کا ذکر، ''جبلِ رحمت'' کے ذکر میں آتا ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے حج (وَدَاع) کی جو منظر کشی کی ہے، اس میں انہوں نے جبلِ رحمت کے بھاری بھرکم پتھروں کا ذکر کیا، اوران کو ''صخرات'' سے تعبیر کیا۔ یہ بتایا کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء کو جبل رحمت کے بھاری بھرکم پتھروں میں ٹھہرایا۔ لیکن جبل رحمت پر آپ کا چڑھنا ثابت نہیں۔ لاکھوں حاجیوں کی موجودگی اور ہجوم میں جبل رحمت پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ حاجیوں کا یہ خیال درست نہیں کہ جبلِ رحمت پر چڑھنا، سنت ہے۔

صَدَقَہٗ: خیرات، زکوٰۃ، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: صدقہ وہ ہے جس کو انسان اپنے مال میں سے بطورِ عبادت نکالتا

ہے جیسے کہ زکوٰۃ۔ لیکن صدقہ اصل میں نفلی خیرات کے لیے بولا جاتا ہے اور زکوٰۃ واجب کے لیے، اور کبھی واجب کو صدقہ کہا جاتا ہے جبکہ اس کا ادا کرنے والا اپنے فعل میں صدق کا ارادہ کرے۔ ارشاد ہے: **خذ من اموالھم صدقة** ۔ صدقہ اسلام کی قانونی زبان میں ہبہ کی طرح ہے۔ الدارالمختار میں ہے۔ الصدقۃ کالھبۃ یعنی صدقہ ہبہ کی طرح ہے۔ اور ہبہ کے لیے شرط یہ ہے کہ مالک کی ملک سے نکل کر دوسرے کے قبضہ میں چلا جائے۔ اسی بنیاد پر فقہاء نے یہ قانون بنایا ہے کہ **لایتم التبرع الا بالقبض** کوئی مالیاتی نیکی بغیر قبضہ دیئے پوری نہیں ہوتی ہے۔ قانون کی زبان میں جسے صدقہ کہتے ہیں اس کے لیے قبضہ اور ملکیت بنیادی شرط ہے چاہے یہ روزے کا صدقہ ہو اور چاہے کفارہ قسم ہو، سب کے لیے مالک بنانا اور قبضہ دینا شرط ہے۔ آپ روزے کا کفارہ یا نذر کا صدقہ دینا چاہتے ہیں اور جتنا صدقہ کرنا چاہتے ہیں اس قیمت کا آپ نے کھانا پکایا اور محتاجوں، مسکینوں کی دعوت کردی۔ انہوں نے آکر آپ کے گھر دعوت کھالی تو قانون کی زبان میں یہ طعام اباحت ہے، صدقہ نہیں ہے۔ نہ روزے کا کفارہ ادا ہوگا اور نہ نذر پوری ہوگی۔ صدقہ کے لیے شرط یہ ہے کہ اسے ملکیت میں دیا جائے اور ملکیت بغیر قبضہ کے دُرست نہیں ہے۔ اسی بنا پر قربانی کو صدقہ نہیں کہتے وہاں مالک بنانا عبادت نہیں صرف خون بہانا عبادت ہے۔ حج میں فدیہ کے موضوع پر یہ تفصیل کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی بیمار ہو اور

احرام کی حالت میں حجامت بنالے تو اسے چاہیے کہ فدیہ دے یعنی روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی دے، اس کا مؤید ہے۔

صَفَا: ''صفا'' کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں۔ بیت اللہ کے جنوب کی طرف دائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی پہاڑی جو کہ برائے نام رہ گئی ہے۔ برآمدہ کی شکل میں تعمیر کر کے مروہ تک ملا دی گئی ہے۔ یہیں سے سعی شروع ہوتی ہے۔ حجراسود کی بالکل سیدھ میں برآمدہ میں آجائیں تو آپ سیدھا صفا پر پہنچ جائیں گے۔ اس پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر کی طرف لکھی ہوئی عبارت پر نظر ڈالیں تو آپ آسانی سے یہ الفاظ پڑھ سکتے ہیں۔

''**اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللّٰه** [صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں]۔

صفا کے بالمقابل دوسری پہاڑی ''مروہ'' ہے۔ وہ بھی اب برائے نام رہ گئی ہے۔ حرم شریف سے شمال مشرقی جانب ہے۔ صفا اور مروہ کا درمیانی فاصلہ، جس میں حج اور عمرہ کرنے والے ''سعی'' کرتے ہیں۔ چار سو میٹر ہے۔

تفصیل دیکھیے: سعی بین الصفا والمروہ۔

صلاۃ یوم جمعہ بعرفۃ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جس روز عرفہ میں قیام فرمایا، وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ نے

وہاں نمازِ جمعہ ادا نہیں فرمائی۔ وہاں عام حجاج کے علاوہ اہل مکہ بھی تھے۔ نماز ظہر ادا فرمائی۔ ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی نمازیں قصر ادا کیں۔

عرفہ کے دن اگر جمعہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھی جائے گی۔ نماز ظہر ادا کی جائے گی۔ اور ظہر اور عصر کو جمع کیا جائے گا۔

صوم یوم عرفة: عرفہ کے دن حجاج کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا۔ حُجاج کی موجودگی میں دودھ نوش فرمایا۔ اور آپؐ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے۔ لوگوں کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

ط

طَاعَت: اذعان، یقین، فرماں برداری۔ اللہ کے لیے ہو یا اللہ کے سوا، خود اللہ کا ارشاد ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

[اللہ کی فرماں برداری کرو، اللہ کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اور اپنے حکم رانوں کی بھی]

اچھے اور پسندیدہ اعمال کو "طاعات" کہا جاتا ہے، جن کا تعلق فرائض اور نوافل سے ہو۔ شریعت کی زبان میں یہ "عبادات" کہلاتی ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے اِن کا بجالانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: "مخلوق کے کسی ایسے حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، جس میں اللہ، مالک وخالق کی نافرمانی ہو"۔

طَوَاف: طواف کے معنیٰ، بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے کے ہیں۔ اِن چکروں کی ابتداء حجرِاسود کے سامنے سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی حجرِاسود پر آ کر ہوتی ہے۔ کعبہ کے گرد ایک مکمل چکر کو "شوط" کہتے ہیں۔ اور مکمل طواف سات اَشواط پر مشتمل ہوتا ہے۔

بیت اللہ کا طواف اس وقت سے شروع ہے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی تھی۔

جس طواف کی تعلیم، اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی، اس میں صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا۔لیکن ایک عرصے کے بعد کلماتِ توحید کی جگہ شرک و بت پرستی کے مراسم نے لے لی۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مرد وعورت برہنہ بدن ہوکر اللہ کے گھر کا طواف کرنے لگے تھے۔

چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اللہ کے آخری رسول آئے، ان کی ولادت اور بعثت مکہ میں ہوئی۔انہوں نے نبوت کے تیئیس سال بعد حج فرض ادا کیا اور اعلان کیا کہ اب یہاں کوئی کافرومشرک نہیں آئے گا، کوئی برہنہ بدن ہوکر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا، اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کیا، اور اللہ کا گھر پھر ترانۂ توحید وتقدیس سے گونجا۔

اس روز سے مسجد حرام کا تحیہ اور سلام، بیت اللہ کا طواف قرار پایا۔ جو بھی مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے، اللہ کے گھر کا طواف کرتا ہے۔

طواف کی پانچ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

طواف افاضہ: اس طواف کو، طوافِ حج، طوافِ رکن، طوافِ فرض اور طوافِ زیارت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حج کا رکن ہے۔اس کے بغیر حج ممکن نہیں ہوتا۔اس کا وقت ذی الحجہ کی دس تاریخ، صبح

صادق سے شروع ہوتا ہے۔ بارہ ذی الحجہ تک اس کا کرنا واجب ہے۔ ذی الحجہ کے آخر تک کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اول وقت میں ادا کر لینا تمام ائمہ کے نزدیک افضل ہے۔

طواف تطوع: یہ طوافِ نفل ہے۔ ہمارے یہاں اِسے طوافِ نفل کہا جاتا ہے۔ تطوع اور نفل۔ دونوں ہم معنٰی ہیں۔

یہ جس وقت چاہے کیا جا سکتا ہے۔ آفاقی کے لیے نمازِ نفل پڑھنے کی بجائے نفلی طواف کرنا افضل ہے۔ طواف کی سعادت کہیں اور نصیب نہ ہوگی اس لیے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران مسجد حرام میں زیادہ سے زیادہ طواف کرنے چاہئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف بھی گویا نماز ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم اس میں بول سکتے ہو مگر نیک بات کے سوا اس حالت میں کچھ نہ بولو۔ اس طواف میں اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی مہیا کر دی ہے کہ یہ بلا احرام کیا جاتا ہے۔

طوافِ حائض: طواف کعبہ کے لیے طہارت (پاکی) شرط ہے۔ پاکی کے بغیر طواف درست نہیں ہوتا۔ حدث، چاہے اصغر ہو یا اکبر۔ (یعنی حدثِ اصغر ہو یا حدثِ اکبر) ایسی حالت میں اگر طواف کیا گیا تو وہ باطل ہوگا۔

[اس کی تفصیل ''احکام و مسائلِ حج'' کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔]

طوافِ عمرہ: جیسے حج کے لیے طوافِ کعبہ ضروری ہے۔اسی طرح عمرہ کے لیے بھی طوافِ کعبہ ضروری ہے۔عمرہ میں بھی اس کی حیثیت رکن اور فرض کی ہے۔تمام فقہی مسالک میں طواف نہ کرنے کی صورت میں عمرہ باطل ہو جاتا ہے۔

طوافِ قدوم: یعنی آفاقی جب پہلی دفعہ احرام کی حالت میں آئے اور مسجد حرام میں داخل ہو تو طواف کرے گا۔اس کو طواف قدوم اور طواف تحیۃ بھی کہتے ہیں۔یہ اُس آفاقی کے لیے سنت ہے جو صرف حج افراد یا قران کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو۔ تمتع اور عمرہ کرنے والے آفاقی کے لیے سنت نہیں ہے اسی طرح اہلِ مکہ کے لیے بھی نہیں ہے۔ہاں اگر کوئی مکی حج کے مہینوں سے قبل میقات سے باہر جا کر افراد یا قِران کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس کے لیے بھی مسنون ہے۔

طوافِ وَدَاع: اس طواف کو ''طوافِ صدر'' بھی کہتے ہیں۔طوافِ وداع کو ''طوافِ وداع'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکہ کے باہر سے آنے والا حاجی، مکہ اور بیت اللہ سے رخصت ہو جاتا ہے۔گویا یہ رخصتی سلام ہے۔طوافِ وداع، واجب ہے، جو اس کو چھوڑ دے گا اس پر دم واجب ہوگا۔

حیض اور نفاس والی عورتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ وَدَاع سے مستثنیٰ کیا ہے۔

طہارۃ: نجاست اور گندگی سے پاکیزگی حاصل کرنا۔ فقہ کی اصطلاح میں حدثِ اصغر اگر ہو تو وضو کے ذریعے پاکی حاصل کرنا، اور اگر حدثِ اکبر ہے تو غسل کے ذریعے پاکی حاصل کرنا۔

طیب: خوشبو۔ خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو۔ احرام کی حالت میں ہر طرح کی خوشبو لگانا منع ہے۔ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں حضور علیہ السلام کے احرام باندھنے سے پہلے بھی خوشبو لگاتی اور احرام سے نکل جانے کے بعد بھی''۔ نیز کہتی ہیں کہ: ''احرام باندھنے سے پہلے ہم نے اپنے چہروں پر خوشبو لگائی، پھر ہم نے احرام باندھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع نہیں فرمایا''۔

محرم ہونے کی حالت میں اگر کسی نے خوشبو لگائی تو اس پر دم واجب ہوگا۔ البتہ عام حالات میں پاک صاف رہنا اور خوشبو لگانا، پسندیدہ عمل ہے۔

ظ

ظُلَّۃ: سایہ، خواہ وہ چھت کا ہو، درخت کا ہو، یا کسی اور چیز کا۔

نبی علیہ السلام، یوم الترویہ جب منٰی کے لیے روانہ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ، آپؐ کے ساتھ تھے، اُن کے ہاتھ میں درخت کی ایک ٹہنی تھی، وہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ کر رہے تھے۔ آپؐ نے اُنھیں منع نہیں فرمایا۔

کپڑے سے بھی سایہ کرنا جائز ہے (محرم کا) مگر شرط یہ ہے کہ کپڑا مُحرم کے سر سے نہ چھوئے۔ اسی طرح محرم کے سر پر موٹر کی چھت کا سایہ ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ سر پر سائے کے لیے چھتری بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

محرم کے لیے ممانعت اس بات کی ہے کہ وہ سر پر کوئی کپڑا اس طرح نہ ڈالے جو اس کے سر سے چھو رہا ہو۔ اگر سر پر کپڑا اس طرح ڈالا، جیسے عام طور پر رومال یا چادر وغیرہ ڈال لیتے ہیں، اور وہ سر سے متصل ہوئی تو دم لازم آئے گا۔

ع

عَبْد: ایسا انسان جو کسی دوسرے کی ملک ہو۔ جسے عرف میں غلام کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہے عبد، یعنی غلام ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ عَبْد ہونا، وجوبِ حج کو ساقط کر دیتا ہے۔

دیکھیے: شرائطِ وجوبِ حج۔

عِتْق: آزادی۔ عبد سے، عَبْد ہونے کی صفت کا زائل ہو جانا۔ کسی عبد (غلام) نے، عبد اور غلام ہونے کی حالت میں اگر حج کیا تو حج تو درست ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ آزاد ہو گیا، اور آزادی کے بعد وجوبِ حج کی شرائط پائی گئیں تو دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

عَجْفَاء: عجفاء، ایسی بھیڑ، بکری کو کہتے ہیں جو بہت لاغر اور کمزور ہو۔ اور قربانی وغیرہ کے لیے قبول نہ کی جاتی ہو۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: **ومن یعظم شعائراللہ فانھا من تقوی القلوب۔** (حج (۲۲)، ۳۲)۔ (جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے)۔ اور تعظیم شعائر سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے نام پر جو جانور ذبح

کر و وہ صحت مند اور موٹے تازے ہونے چاہئیں۔ گلے سڑے جانور، اللہ کے نام پر قربان کرنا، اللہ سے تعلق اور محبت کی نفی کرتا ہے۔

عُذر: ایسی دلیل اور وجہ، جو غلطی کرنے والا اپنی صفائی اور بے گناہی کے لیے دوسرے کے سامنے پیش کرتا ہے۔
مسائلِ حج کے بیان میں جہاں یہ فقرہ آتا ہے: ''لا عذر لہٗ'' وہاں مراد یہ ہوتا ہے کہ ''اس کے لیے کوئی دلیل نہیں، اس کے پاس کوئی وجہ نہیں''۔ اس نے جو کیا وہ غلط یا غیر مناسب تھا، اس کی تاویل اور عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

عَرَفَہٗ: عَرَفہٗ کو، عرفہ کیوں کہتے ہیں۔؟ علماء نے اس کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں۔ مناسکِ حج میں عرفہ کی کیا اہمیت ہے۔؟
[''یومِ عرفہ'' کے تحت بھی اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے']

۱: بعض نے وجہ یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب دنیا میں اتارا تو آپ کو سرزمین ہندوستان، سراندیپ (سری لنکا) میں اور اماں حوا علیہ السلام کو فلسطین میں۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حوا علیہ السلام کو اور حضرت حوا علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کو ڈھونڈتی رہیں۔ آخر کار ذی الحجہ کی ۹ تاریخ کو ایک مقام ''عرفات'' میں دونوں کی ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اس لیے اس دن

کا نام ''عرفہ'' اور مقام کا نام ''عرفات'' پڑ گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت حوا علیہ السلام سے ملاقات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کی معافی کے لیے گریہ و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور یہ دعا سکھائی:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین [۷(اعراف)،۲۳] (اے ہمارے رب! ہم اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے۔ اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے)

۲: عطاءؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ:

''حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کو ارکان حج بتاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے، ''عرفت'' (آپ پہچان گئے) پھر بتاتے تھے اور کہتے تھے: ''عرفت'' (آپ پہچان گئے) اسی لیے اس کا نام ''عرفات'' یعنی جان پہچان کی جگہ، اور اس دن کا نام عرفہ ہو گیا''۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت سعید بن میبّبؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو حج کرایا۔ جب مقام عرفات میں پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو تو آپ نے ''پہچان لیا ہوگا'' کیونکہ اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ایک بار وہاں جا چکے تھے۔ اس لیے

اس مقام کا نام ''عرفات'' ہوگیا۔

عَقْل: انسان کی ایک خداداد صفت، جس کے ذریعے حاضر اور غائب چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے، حق اور باطل کی تمیز کرتا ہے، خیر وشر کو پہچانتا ہے۔ یہی اس کے مکلّف اور مسئول عنہ کی بنیاد ہے۔ عقل ہی کی وجہ سے اس کے اعمال وافعال کا حساب لیا جائے گا۔ جو شخص، عقل سے عاری ہو جائے (جسے دیوانہ اور مجنون کہتے ہیں) تو اس کے ذمے سے تمام حکم ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس پر کوئی چیز فرض نہیں رہتی۔

وجوبِ حج کی شرائط میں عقل بھی شامل ہے۔ اگر باقی شرائط پائی جاتی ہوں۔ صرف عقل نہ ہو تو حج بھی فرض نہ ہوگا۔

عَمْد: خطاء کی ضد، ارادہ، عَمْداً، یعنی بالارادہ جو جرم کیا جائے، اس کی سزا زیادہ سخت ہوتی ہے۔

عمرہ: عمرۂ لغت میں مطلق زیارت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں عمرہ کے معنٰی ہیں کسی آباد جگہ یا مکان کا قصد کرنا۔ اسلام کی زبان میں عمرہ کے معنٰی ہیں: شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بیت اللہ کی زیارت کرنا، اوران اعمال ومناسک کو ادا کرنا، جن کے ادا کرنے کا اللہ نے اوراس کے رسول نے حکم دیا ہے۔

اِحْرام، طوافِ بیت اللہ، سعی بین الصفاء والمروہ، حلقِ رأس یا قصرِ رأس۔ یہ عمرہ کے ارکان و واجبات ہیں۔ ایامِ حج کے علاوہ، سال کے کسی بھی دن عمرہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک زندگی میں ایک بار عمرہ ادا کرنا ہر اس شخص (مسلمان) کے لیے سنت مؤکدہ ہے جو عمرہ ادا کرنے کی قدرت و صلاحیت رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، قدرت و صلاحیت رکھنے والے شخص پر زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا واجب ہے۔

رمضان کے مہینے میں عمرہ کرنا، سب کے نزدیک افضل ہے۔ قدرت و صلاحیت کی موجودگی میں ایک سے زائد مرتبہ عمرہ کرنا، تمام ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔

اللہ، رحیم و کریم کا ارشاد ہے: ''وأتموا الحج والعمرة للہ'' (حج اور عمرہ، اللہ کے لیے ادا کرو)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ، دوسرے عمرہ تک کے درمیانی حصے کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔

عمرہ میں چار ارکان کا بجالانا ضروری ہے۔ ۱: احرام باندھنا، ۲: طوافِ بیت اللہ، ۳: سعی بین الصفا والمروہ، ۴: حلقِ رأس یا قصرِ رأس۔ یعنی سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔ عمرہ، سال کے بارہ مہینوں میں کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ صرف ان پانچ دنوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا جو مناسکِ حج کی ادائیگی کے ہیں۔ یعنی نو تا

تیرہ ذی الحجہ۔

عَوْرَة: جسم کا وہ حصہ جس کا ڈھانپنا ضروری قرار دیا گیا۔
مرد کے جسم کا، ناف سے نیچے گھٹنوں تک کا حصہ، عورۃ ہے اس کا ڈھانپنا ضروری ہے۔
عورت کا پورا جسم، عورۃ ہے۔ صرف ہاتھ، پاؤں اور چہرہ مستثنیٰ ہے۔

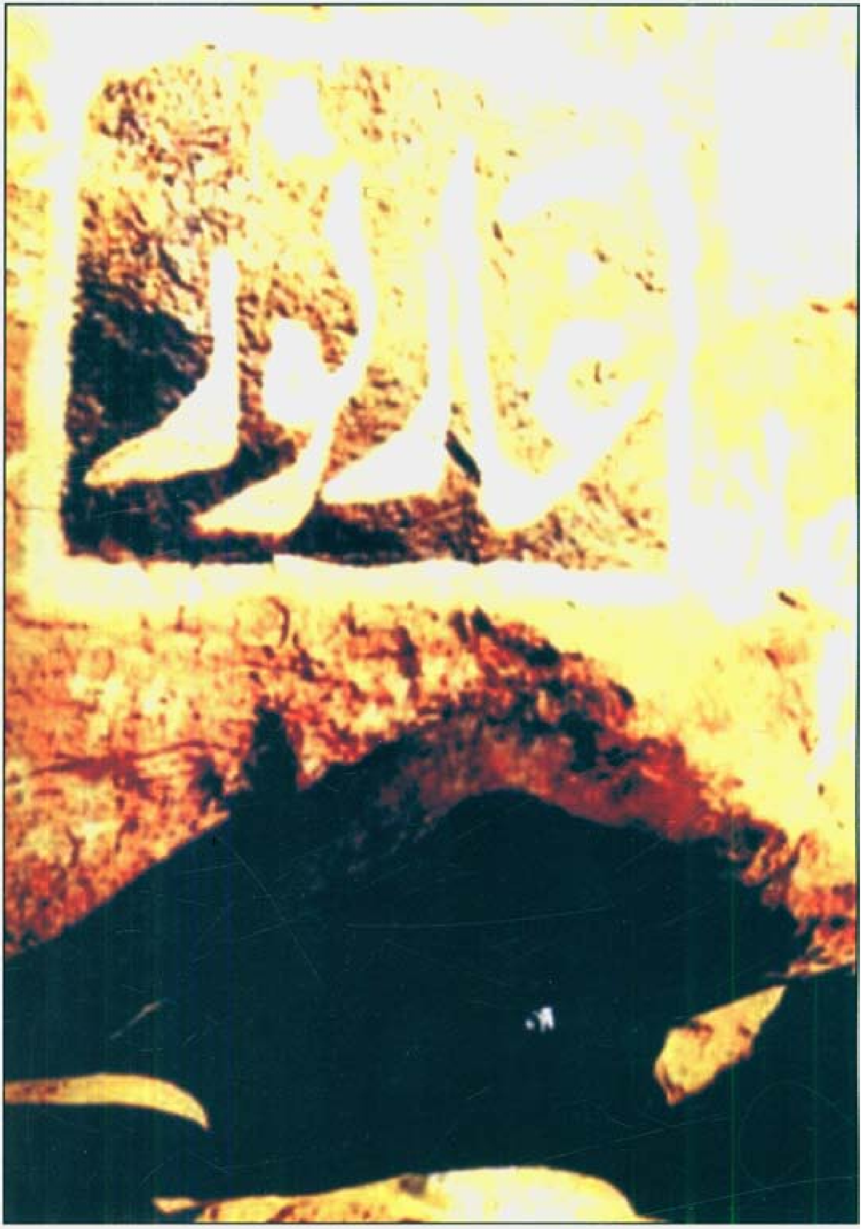
عِیْد: خوشی، مسرت، بار بار آنے والا امر، اسلام میں دو واقعات پر عید کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور انہیں ''عید'' کہا جاتا ہے۔
عید الفطر
عید الاضحیٰ
ان دو واقعات کے علاوہ کسی پر عید کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

عیدالاضحی: ہر سال ذی الحجہ کی دس تاریخ کو دو رکعت نماز اور ایک جانور کی قربانی۔ یہ عید الاضحیٰ ہے۔

عِیْدُالْفِطْر: صومِ رمضان کے اختتام پر اگلے روز، شوال کی پہلی تاریخ، ''یومِ عید الفطر'' ہے۔ رمضان کے مہینے میں اللہ نے اپنے روزہ دار بندوں کو جن رحمتوں اور برکتوں سے نوازا، یہ دن اس کے اظہارِ تشکر کا دن ہے۔

عیدالفطر میں صدقۂ فطر ہے، ہر اس شخص کو دینا لازم ہے جو دینے کی قدرت رکھتا ہے، چھوٹے بڑے، مرد وعورت، سب کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ رسولِ رحمتﷺ نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ، دونوں دنوں کے بارے میں فرمایا: ''یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں''۔

صبح طلوعِ آفتاب کے بعد دو رکعت نماز باجماعت ادا کرنا، سنت ہے۔



غارِ ثور

غ

غار ثَوْر: مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر تقریباً چار میل کے فاصلے پر وہ پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔ سطح سمندر سے اونچا ہے۔ چوٹی کے قریب ہی یہ غار واقع ہے۔ جبل ثور کا سلسلہ کم وبیش چار میل پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ کی چڑھائی ناہموار مگر سیدھی ہے۔ اس لیے خاصی دشوار گزار ہے۔ اوپر جانوروں کے لیے چڑھنا بھی مشکل ہے۔

جبل ثور پر بلسان کے درخت بہت ہیں جس سے روغن اور ادویات بنائی جاتی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ثور بن عبد مناف نامی ایک شخص گزرا ہے۔ کہتے ہیں کسی سفر کے دوران اس نے اس پہاڑ پر قیام کیا تھا اس لیے اس کا نام ''جبل الثور'' پڑ گیا۔ غار سے چوٹی کے قریب کوئی دو فرلانگ نیچے اتریں تو ایک دشوار گزار راستہ ہے جس کے آخر میں یہ غار عام گزرگاہ سے ہٹ کر پہاڑ کی داہنی جانب واقع ہے۔ غار کا رقبہ تقریباً دو میٹر مربع ہے۔ دہانہ بہت تنگ ہونے سے ایک آدمی بڑی مشکل سے اندر جا سکتا ہے۔ جاتے ہوئے سر کو جھکانا پڑتا ہے۔ سیدھے کھڑے ہو کر داخل ہونا ممکن نہیں۔ غار کی وسعت اندر کچھ زیادہ نہیں۔ اندرونی بلندی پانچ چھ فٹ ہے اور سات

آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دو غار، دو سفر اور دو یار بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ دو غار۔ غار حرا اور غار ثور ہیں۔ غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں، مگر غار ثور کا تذکرہ موجود ہے۔ اس غار کی نسبت سے ادب میں نئے محاورے شامل ہوئے۔ عربی میں ''رفیق فی الغار'' فارسی اور اُردو میں ''یارِ غار'' سے مخلص ساتھی مقصود ہوتا ہے۔

حیات طیبہ کے دو سفر یادگار سفر ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرا آسمانی۔ زمینی سفر۔ سفر ہجرت ہے اور آسمانی سفر معراج کے نام سے مشہور ہے۔ سفر ہجرت کے یار افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں اور آسمانی سفر کے یار سید الملائک حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبل ثور کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ کی بے تابی اور بے چینی کا عجب حال تھا۔ کبھی آگے چلتے، کبھی پیچھے، کبھی داہنے رخ آتے کبھی بائیں جانب چلنے لگتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کیفیت کو دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے۔؟ عرض کیا: سوچتا ہوں کہ کوئی گھات میں نہ بیٹھا ہو۔ فرمایا: اس سے تمہارا مقصد ہے کہ تم شکار ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا یہی بات ہے۔

پہاڑی راستے کی وجہ سے پاؤں مجروح ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو اپنے کاندھوں پر بٹھا لیا اور غار کے دھانے تک لے آئے۔عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپؐ باہر ٹھہریئے میں اندر سے غار کو صاف کرلوں۔

اندر سے غار کو صاف کیا۔جہاں جہاں سوراخ تھے۔چادر پھاڑ پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کر دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے اور زانوئے صدیق پر سر رکھ کر سو گئے۔سامنے آپؓ نے ایک سوراخ دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاؤں کی ایڑی لگا کر اس سوراخ کو بھی بند کر دیا۔اتفاق سے اس سوراخ میں ایک سانپ کی رہائش تھی۔سانپ نے صدیقؓ اکبر کو ڈس لیا۔زہر کے اثر سے آپؓ کے آنسو چہرہ اقدسؐ پر گرے، پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: سانپ نے ڈسا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے زہر کے اثر کو زائل فرما دیا۔یہ ماہ صفر کی ۲۷ ویں شب اور نبوت کا ۱۴واں سال تھا۔

صبح ہر طرف تلاش ہوئی۔عام خیال یہی تھا کہ مدینہ جانے والے راستے پر ہوں گے۔جبل ثور کے انتخاب میں مصلحت بھی یہی تھی۔کھوجیوں نے نقش پا کر تلاش کیا اور غار کے دھانے تک پہنچ گئے۔کھوجی نے کہا: یہاں تک تو سراغ لگا لیا۔آگے پتا نہیں چلتا۔اس وقت کوئی حضرت ابوبکرؓ کا اضطراب دیکھتا۔عرض کیا: اگر کافر اپنے پیروں کی طرف نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔مجھے

اپنی جان کا غم نہیں اگر آپؐ کو کچھ ہو گیا تو امت ہلاک ہو جائے گی۔ فرمایا: ''اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے''۔

دھانے پر مکڑی نے جالا تان دیا تھا، غار کے منہ سے قریب درخت کی شاخوں پر کبوتر نے انڈے دے دیئے تھے۔ دانشورانِ کفران نشانیوں کو دیکھ کر سمجھے کہ اگر غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا۔ ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ہدایت کی کہ دن بھر قریش کی خبریں لیتا رہے اور رات میں اس کی اطلاع دے۔ عامر ابن فہیرہؓ کا حکم دیا کہ ریوڑ کو چراتے چراتے غار پر پہنچ جایا کرے تاکہ دودھ میسر آئے۔ تینوں دن یہی معمول رہا۔ رات میں حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کھانا لے آتیں۔

تیسرے دن یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ طے شدہ معاہدے کے مطابق قابل اعتماد عبداللہ ابن اریقط اونٹنیاں لے آیا۔ غار ثور سے قافلہ مکہ کے جنوبی حصہ سے نکل کر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

غُسل: غین کے پیش کے ساتھ اسم ہے۔ اور زبر کے ساتھ مصدر ہے۔ غَسَلَ یَغْسِلُ غَسْلًا اور غُسْلًا۔ فعل ہے۔ پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کی خاطر پورے جسم پر پاک صاف پانی بہانا۔ شریعت نے جن معنوی ناپاکیوں کو ''حَدَثِ اکبرٗ'' کہا ہے، اُن کے ازالے کے لیے پورے جسم پر پانی بہانا۔ بہرحال

جو بھی صورت ہو، اُسے غسل کہتے ہیں۔

حج اور عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھنے سے پہلے بھی غسل کیا، اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی غسل کیا۔ لیکن احرام باندھنے سے پہلے اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اگر کوئی غسل نہ کرسکتا ہو تو کوئی حرج نہیں، نہ اس پر کوئی جرمانہ ہے۔ احرام سے پہلے اور دخول مکہ سے پہلے وضو کرلے۔ وہ کافی ہے۔

غَنَمٌ: بکری، مفرد اور جمع، دونوں کے لیے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا: اغنام اور غنوم، اس کی جمع آتی ہے۔ مذکر اور مؤنث، دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہے۔

ف

فِدْیَۃ: وہ چیز جو جان بچانے کے لیے لی یا دی جائے۔ ایک مثل ہے خذ علی ھدیتک وفدیتک، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی پہلی چال پر چلو، یہ لفظ دوسرے پارے میں روزے اور حج کے ذکر میں آیا ہے۔ حج کے موضوع پر احرام کی حالت میں عذر کی وجہ سے حجامت بنانے پر فدیہ ہے۔ فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ روزے رکھ لیے جائیں، مسکینوں کو صدقہ دیا جائے یا پھر قربانی کردی جائے۔ اور روزے کے بیان میں فدیہ کا ذکر **علی الذین یطیقونہ فدیۃ** میں آیا ہے۔ اس کی تفسیر و تاویل میں صحابہ کے زمانہ سے اختلاف ہے۔ ا۔ بعض صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اول رمضان میں پہلے چند روزے فرض ہوئے تھے، ان روزوں کے متعلق یہ اجازت تھی کہ چاہے روزے رکھیں یا روزے کی جگہ ایک مسکین کا کھانا دے دیں۔ رمضان کی فرضیت کے بعد یہ اجازت منسوخ ہوگئی۔ ۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ **یطیقونہ** کی ضمیر صوم کی طرف نہیں بلکہ طعام کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فدیہ کی طاقت رکھتے ہوں وہ روزے کے ساتھ فدیہ بھی ادا کریں۔ بعد کو یہ منسوخ ہوگیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس فدیہ سے صدقۃ الفطر مراد لیا ہے جو

رمضان کے بعد ہر مستطیع روزے دار پر واجب ہوتا ہے۔
۳۔تیسری روایت یہ کہ یہ آیت محکم ہے اور یہ اجازت ان لوگوں کے لیے ہے جو روزے سے معذور ہوں جیسے بوڑھے اور حاملہ عورتیں۔

مناسکِ حج کے دوران فدیہ سے مراد وہ تاوان ہے جو ان کی ادائیگی میں کسی کوتاہی یا کمی کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

کَعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میرے سر میں تکلیف ہوئی، اور میں حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اِحرام باندھا ہوا تھا، تکلیف اتنی بڑھی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری نظر متأثر نہ ہو۔اللہ رحیم وکریم کی طرف سے اس آیتِ مبارکہ کا نزول ہوا: **فمن كان منكم مريضاً اوبه اذىً من رأسه ففدية من صيام اوصدقة اونسك**۔[۲(بقرہ)،۱۹۶]

(تم میں سے جو شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو، تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اپنا سر منڈ والے۔اور اس کے فدیہ میں روزے رکھے، یا صدقہ دے، یا قربانی دے۔یعنی کوئی جانور ذبح کرے)۔آیت کے نازل ہونے کے بعد، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''کعب۔! اپنا سر منڈ والے، اور اس کے فدیے میں تین روزے رکھ، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا، یا ایک بکری ذبح کر''۔میں نے سر منڈ وادیا اور

فدیہ میں ایک بکری ذبح کردی۔

یہ ہے اس فدیہ کی صورت، جو مناسکِ حج میں کسی تقصیر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔حضور علیہ السلام کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے تین اختیار دیئے۔محرم کے لیے جس صورت میں بھی فدیہ ادا کرنا آسان ہو، وہ ادا کردے۔

دیکھیئے ''**الدین یُسر**'' ''(دین آسان ہے)۔کا مظاہرہ، ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں۔ہر معاملے میں سہولت ہے۔حتیٰ کہ تاوان اور جرمانوں میں بھی سہولت۔، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

فَرُض: اللہ نے اپنے بندوں پر، جو ان کے حق پر ایمان لانے کے باعث لازم کردیا، اسے ''فرض'' کہتے ہیں۔

اصولیین کہتے ہیں کہ: جو حکم قطعی اور حتمی دلیل سے ثابت ہو جائے اور جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔وہ ''فرض'' ہے۔اس کا انکار کرنے والے کو کافر کہا جائے گا۔اور چھوڑنے والا گنہ گار ہوگا۔

نماز، فرض ہے۔روزہ، فرض ہے۔زکوٰۃ، فرض ہے، حج، فرض ہے۔

اِن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔

فرض کی دو قسمیں اور دو صورتیں ہیں وہ بھی پڑھ لیجئے:

فَرُضِ عَیُن: ''فرضِ عین'' اُس عمل اور ذمہ داری کو کہتے ہیں،

جس کا ادا کرنا ہر ہر فرد پر مستقلاً لازم ہو۔ اس کے علاوہ، کسی اور کی طرف سے اس کی ادائیگی ممکن یا کافی نہ ہو۔ جیسے نماز، روزہ، جس پر فرض ہے، اسی کو ادا کرنا پڑے گا۔ نیز ہر ہر فرد پر فرض ہے۔

فرضِ کِفَایَہُ: عمومی طور پر مسلمانوں پر ایک عمل کا بجالانا ضروری قرار دیا گیا ہو۔ مگر ہر ہر فرد پر اس کی ادائیگی لازمی نہ ہو۔ چند افراد کے کر لینے سے باقی اس کی ادائیگی سے سبکدوش سمجھے جائیں۔ جیسے جہاد اور نمازِ جنازہ۔

فُسُوق: شریعت نے جس معاملے کی جو حدود معین اور مقرر کر دیں، اُن سے آگے بڑھنا۔ ''فسوق'' کہلاتا ہے۔

محرم کو حالتِ احرام میں جن اعمال وافعال سے منع کیا گیا ہے۔ حالاں کہ وہ عام حالت میں منع نہیں ہیں۔ جیسے خوشبو لگانا، سِلے ہوئے کپڑے پہننا، شکار کرنا۔ ان افعال کا حالتِ احرام میں کرنا، ''فسوق'' کہلائے گا۔

فَوَاسِق: فاسق اور فاسقہ کی جمع۔، وہ کیڑے مکوڑے جن کو مارنا محرم کے لیے بھی جائز ہے۔ فواسق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن جانوروں کو بھی شامل کیا ہے جو انسان کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ جیسے۔ بھیڑیا، چیتا، شیر، بچھو، سانپ وغیرہ

وغیرہ۔

محرم، ہر اس جانور کو مار سکتا ہے جو نقصان پہچانے والا ہو، اور جس سے لوگ خوف زدہ ہوتے ہوں۔ حالتِ احرام میں ایسے جانور کو مار دینے سے کوئی تاوان لازم نہیں ہوگا۔

فَوْر: وقت، ہر چیز کا اول، تراخی، یعنی تاخیر کی ضد۔

اردو زبان میں بھی فوراً، اور ''فی الفور'' اسی معنٰی میں استعمال ہوتا ہے کہ کسی کام کو کسی تاخیر اور ٹال مٹول کے بغیر کر لیا جائے۔

حج کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ کہ جب کسی شخص پر واجب ہو تو اُسے فوری طور پر، بغیر کسی تاخیر کے ادا کرنا چاہیے یا اس کی ادائیگی میں تاخیر کی سہولت حاصل ہے۔؟

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں کہ وجوب کے بعد فوراً ادا کرنا ضروری ہے۔ نہیں معلوم کہ کل کیا ہونا ہے۔ اور حج کی صورتِ حال یہ ہے کہ ایک سال ادا نہ کیا تو پھر ایک سال بعد ادا کرنا ممکن ہوگا۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ وجوب کے فوراً بعد ادا کرنا ضروری نہیں۔ جب چاہے ادا کرے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب حج فرض ہو جائے تو اس کے ادا کرنے میں جلدی کرے، کیوں کہ نہیں معلوم کل کیا ہو جائے۔ مریض بھی ہو سکتا ہے، مالی گنجائش سے بھی محروم ہوسکتا ہے، اور بھی کوئی

رکاوٹ پیش آسکتی ہے۔''

زیادہ بہتر یہی ہے کہ جب فرضیتِ حج کی شرائط پوری ہوں، اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے حج ادا کرنے اور اپنے گھر کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی۔ وقت ضائع کیے بغیر، وجوبِ حج کے بعد جو بھی موسمِ حج آئے۔ اس میں اس فرض کی ادائیگی کی سعادت حاصل کرے۔

ق

قُبَّہْ: عربی زبان میں ''قبہ'' کا جو تصور ہے، اردو زبان اور معاشرے میں بھی بالکل وہی تصور ہے۔ چھوٹی سی جگہ پر چمڑے، موٹے کپڑے، ترپال یا اینٹوں وغیرہ ہی سے بنایا گیا ہو۔ وقتی ضرورت کے لیے بنایا جاتا ہے۔ حفاظت کی غرض سے کسی کی قبر کے گرد بھی بنا دیتے ہیں۔ بعض گوشہ نشین اور تارک الدنیا لوگ بھی آبادی سے ہٹ کر اپنے لیے اس قسم کے حجرے بنا لیتے ہیں۔ ان پر ''قُبہ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر ایک اونچی جگہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی ہی ایک جگہ بنائی گئی، جہاں آپ نے ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ پوری رات گزاری اور اللہ سے جنگ میں فتح و نصرت کی دعاء مانگتے رہے۔ اُسے بھی ''قُبہ'' کہا گیا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں بھی مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران نبی علیہ السلام نے اپنے لیے ایک ''قبہ'' بنانے کا حکم دیا۔ تاکہ یک سوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں کچھ وقت گزار سکیں۔

قِبْلَہْ: کعبۃ اللہ، بیت اللہ الحرام۔ وہی اہلِ اسلام کا قبلہ

ہے۔ قبلہ، اس جگہ اور کونے کو کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے مسلمان، نماز ادا کرتے ہیں۔

جو بھی مسلمان ہے، امتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے۔ وہ خواہ مغرب میں رہتا ہے یا مشرق میں بستا ہے، نماز پڑھے گا تو رخ، بیت اللہ ہی کی طرف ہوگا۔ کیوں کہ اللہ نے قیامت تک کے لیے اسی کو اہلِ ایمان کے لیے قبلۂ نماز قرار دے دیا ہے۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جو اس شہر (مکہ) میں رہتے ہیں کہ جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھیں، اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوں۔ چہرہ، اللہ کے گھر کی طرف ہی ہوتا ہے۔

قَتْل: جو عمل، جسم سے روح کے تعلق کو ختم کر دے، اُسے ''قتل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر اس کی تین صورتیں اور قسمیں ہوتی ہیں۔

قتلِ عمد: جو ارادہ کے ساتھ ہو۔

شبہ عمد: بالارادہ کے مشابہ ہو۔

قتلِ خطاء: غلطی سے یہ عمل سرزد ہو گیا ہو۔

محرم کے لیے کسی جانور کو قتل کرنا، یعنی اس کا شکار کرنا، حرام ہے۔ یہ قتل کرنا اور شکار، بالارادہ یعنی عمداً ہو۔ یا غلطی سے۔ دونوں صورتوں میں اس کی جزا (تاوان) ہے۔

محرم کے لیے صرف خطرناک اور ایذارساں جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔ ان کے قتل پر کوئی جزاء نہیں ہے۔

قُدْرَة: قدرت۔ اردو میں بھی یہی معنٰی ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں: بدنی یعنی جسمانی قدرت، دوسری۔ مالی قدرت ۔قدرت، بدنی ہو یا مالی۔ دونوں، حج کی شرائط میں داخل ہیں۔اگر جسمانی قدرت نہیں۔آدمی سفر ہی نہیں کرسکتا۔تب بھی حج فرض نہ ہوگا۔

اگر مالی قدرت نہیں۔آمد ورفت کے اخراجات ہی نہیں،تب بھی حج فرض نہ ہوگا۔

مزید دیکھیے: استطاعۃ''۔

قِرَانْ: حج اور عمرہ کو ایک احرام میں اور ایک سفر میں ادا کرنا ''قِران'' کہلاتا ہے۔

حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ سے جو احرام باندھا تھا، وہ حجِ قِران کا تھا۔

ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر آپ مکہ کے لیے روانہ ہوئے، جب مکہ پہنچے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے،طوافِ بیت اللہ کیا، حجر اسود کا استلام کیا (بوسہ دیا)۔ یہ طوافِ قدوم تھا۔طواف اور استلامِ حجر اسود کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی،اس کے بعد صفا اور مروہ پر آئے اور سعی بین الصفا والمروہ کی۔لیکن سعی کے بعد آپ نے احرام نہیں کھولا۔

ذی قعدہ کی چھبیس تاریخ کو آپؐ نے احرام باندھا تھا، چودہ روز کے بعد، جب آپ نے مناسکِ حج مکمل کر لیے،قربانی کا جانور بھی ذبح کر دیا،حلقِ راس بھی کرالیا تو آپ منٰی سے

(۱۰ ذی الحجہ کو) مکہ واپس آئے۔طواف زیارۃ کیا۔لیکن سعی بین الصفا والمروہ نہیں کی۔کیوں کہ طوافِ کعبہ کے بعد آپ پہلے کر چکے تھے۔اسی کو آپؐ نے عمرہ کے لیے کافی سمجھا۔اس کے بعد آپ حلال ہو گئے۔حالتِ احرام ختم ہو گئی۔

اس وقت حجِ قِران کرنے والے کے لیے حکم تھا کہ اپنی ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ لائے۔مگر اب، جب کہ لوگ۔ہوائی جہازوں اور موٹروں کے ذریعے حج کا سفر طے کرتے ہیں تو ان کے لیے ہدی اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہیں۔اس لیے وہ ہدی کا جانور، مکہ، منٰی یا وہیں آس پاس، کسی جگہ سے خرید لیتے ہیں۔اور یہ جائز ہے۔بلکہ اب اس طرح کے ادارے بن گئے ہیں کہ ان کو قیمت دے کر رجسٹریشن کرالی جاتی ہے، وہ مناسکِ حج کے اختتام پر جانور ذبح کر دیتے ہیں۔

قربانی: ''قربانی اس چوپائے کو کہتے ہیں جو بہ غرض حصول ثواب، ''ایام النحر'' میں ذبح یا نحر کیا جائے۔خواہ اعمال حج ادا کرنے والا ذبح کرے یا کوئی اور۔اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے مگر مالکیہ کہتے ہیں کہ حج کرنے والا قربانی نہیں کرتا بلکہ وہ اعمال حج میں سے ایک عمل ہے۔

قربانی کرنا ہر شخص کے لیے سنت موکدہ ہے اس پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا۔ترک کرنے والے پر عذاب نہ ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''نحر (قربانی) کے روز خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ اللہ کو محبوب کوئی عمل نہیں (جو) آدمی نے کیا اور قیامت کے روز یہ (مذبوحہ جانور) اپنے سینگوں اور کھروں سمیت آئیں گے۔ اس لیے خون کے زمین پر گرنے سے پہلے یہ اللہ کے ہاں جائے قبولیت میں گرتا ہے اس لیے انہیں بطیب خاطر دو''۔

حدیث میں ہے:

''تمہارے لیے ساری اون کے ہر بال اور خون کے ہر قطرہ کے عوض ایک نیکی ہے اور انہیں ترازو میں رکھا جائے گا۔ اس لیے خوش ہو جاؤ''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا ایک ہی بات تھی یعنی دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔

قربانی کا حکم دوسرے سنہ ہجری میں ہوا جیسے عیدین، مال کی زکوۃ (کہ یہ بھی اسی سال شروع ہوئی) قربانی کا شرعی حکم ہونا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''فصل لربک والنحر'' (اپنے پروردگار کی نماز پڑھ اور قربانی کر) اور مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ''املح'' اور ''اقرن'' اپنے ہاتھ سے

ذبح کیے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا اور تکبیر کہی اور اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا''۔''املح'' کے معنی خالص سفید رنگ والے (جانور) کے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ املح وہ ہے جس کا سفید رخ سیاہی پر غالب ہو اور ''اَقْرَن'' وہ جانور ہے جس کے دو سینگ اوسط درجہ کے ہوں۔

قَرْنُ الْمَنَازِل: قاف کے زبر اور راء کے سکون کے ساتھ، ''قَرْنُ المنازل'' اہلِ نجد کا میقات ہے۔ یہ انڈے کی طرح چکنا، صاف اور گول پہاڑ ہے، جو عرفات تک پھیلا ہوا ہے۔ مکہ کے لوگ، اس پہاڑ کو ''کرا'' کاف کے زبر کے ساتھ بولتے ہیں۔ آج کل اسے زیادہ تر ''سَیْل'' کہا جانے لگا۔

مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ ۹۴ کلومیٹر ہے۔

قَصر: سفر کی وجہ سے چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کو ''قصر'' کہتے ہیں۔ مخصوص فاصلے سے زیادہ کا سفر ہو تو شریعت نے یہ سہولت دی ہے۔ کہ جن نمازوں کے فرائض چار رکعتوں پر مشتمل ہیں وہ دو رکعت ادا کیے جائیں گے۔ نماز مغرب میں قصر کی سہولت نہیں ہوگی۔ کیوں کہ وہ تین رکعت ہے۔

مناسکِ حج کے دوران بھی بعض مقامات پر نمازیں قصر ادا کی جاتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے مقام پر نمازِ ظہر اور نمازِ عصر، ظہر کے وقت میں ادا کی، اور دونوں

نمازوں میں قصر کیا۔

منٰی میں بھی آپؐ نے قصر نماز پڑھی۔

قَصْوَاءُ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا جو تفصیلی ذکر کیا ہے، جسے ہم نے کتاب کے شروع میں پیش کیا ہے۔ تاکہ حضور علیہ السلام کے حج کا پورا نقشہ قارئین کے سامنے آجائے۔ اس میں ''قصواء'' کا ذکر کئی بار آیا ہے۔

' یہ وہی اونٹنی تھی جس پر کم وبیش دس سال پہلے نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کا سفر طے کیا تھا۔ سفرِ ہجرت اور حکمِ ہجرت سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اونٹنی (قصواء) سفرِ ہجرت کے لیے خریدی تھی اور اس کی خوب دیکھ بھال کی تھی تاکہ ہجرت کا طویل، کٹھن اور پر خطر سفر محفوظ طریقے سے طے ہو سکے۔

قَضَاءُ: کسی فریضے اور ذمہ داری کو وقت گزرنے کے بعد پورا کرنا'' قضاء کہلاتا ہے۔

ک

کَرَاھَت: کسی کام کے چھوڑ دینے کو بہتر اور پسندیدہ سمجھنا، جب کہ اس کے چھوڑ دینے کا حکم بھی نہ ہو، ''کراہت'' کہلاتا ہے۔

کراہت کی دو قسمیں ہیں: ۱: تحریمی۔ ۲: تنزیہی۔، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، تحریمی کراہت، اسے کہیں گے جو حرام کے قریب ہو۔ اور جو کراہت، حلال کے قریب ہو اسے تنزیہی کہا جائے گا۔

اللہ نے اس آیتِ مبارکہ میں یہی بات کہی ہے۔ ارشاد ہے:

یاایھا الذین آمنو لاتقتلواالصید وأنتم حرم۔ تا۔ عفااللہ عماسلف۔ (۵(مائدہ)، ۹۵)

(اے ایمان والو۔ احرام کی حالت میں کسی جانور کو قتل مت کرو۔ اگر کوئی تم میں سے جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہے، اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہوگا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچانا ہوگا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چند مسکینوں کو اس گناہ کے کفارے میں کھانہ کھلانا ہوگا، یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے۔ تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ

پہلے ہو چکا، اللہ اُسے معاف کر دے گا۔)

کعبہ: یہی وہ مقدس خطہ ہے جو تمام روئے زمین کی پیدائش کا سبب بنا۔ اور جسے زمین وآسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے وجود بخشا گیا۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے چالیس برس پہلے کعبہ شریف کی سرزمین پانی پر قائم تھی۔ پھر اس سے زمین کو پھیلا دیا گیا۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:

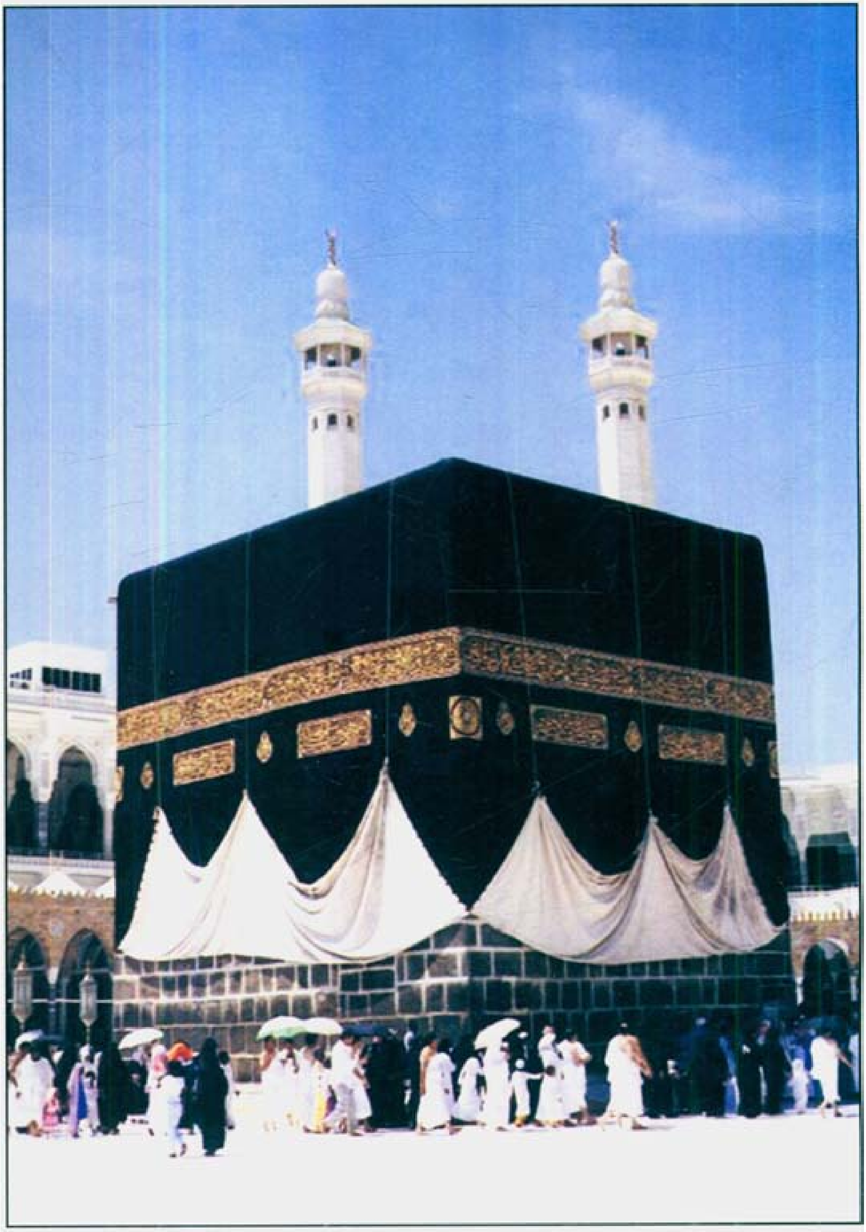
''اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف والی جگہ، زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا فرمایا، اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اللہ پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے اسی حرکت میں بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا کر دیا۔ جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا۔

ایک اور روایت میں ہے:

''سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی مانند زمین میں میرا گھر



خانہ کعبہ

بناؤ۔ جب وہ گھر تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ تم اس کا طواف اسی طرح کرو، جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیت المعمور آسمانوں میں بیت اللہ کے بالکل محاذاۃ میں ہے۔ (خدانخواستہ) اگر گر جائے تو سیدھا بیت اللہ پر ہی گرے''۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاس

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا''۔

ابن منذر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے کہا کہ بیت المقدس عظمت و توقیر میں کعبہ مشرفہ سے بزرگ تر ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ اور پھر مقدس سر زمین میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے ان کے جواب میں کہا کہ نہیں بلکہ کعبہ شریف کا شرف و امجد بیت المقدس' سے فزوں تر ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے مذکور آیت **مقام ابراھیم** تک نازل ہوئی۔

''مذکورہ آیت میں ساری دنیا کے مکانات حتیٰ کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بھی بیت اللہ شریف کا شرف اور افضیلت کا بیان ہے۔ اور یہ شرفِ فضیلت کئی وجہ سے ہے۔ مثلاً

ا۔ اس لیے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

۲۔ وہ برکت والا ہے۔

۳۔ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے''۔

دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ، کعبہ ہے۔ اس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لیے بنایا گیا ہو، اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو، نہ رہائشی گھر اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لیے یہ پہلا گھر بنا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی قول منقول ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''حضرت آدم اور حواء علیہ السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کریں۔ جب وہ ارشاد خداوندی کی تعمیل سے فارغ ہوئے، تو ارشاد ہوا کہ اس کا طواف کریں۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ اول اناس یعنی سب سے پہلے آدمی ہیں اور یہ گھر **اول بیت وضع للناس** ہے، یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہو وہ یہی ہے''۔

''آیت میں اولیت سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور سدیؒ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح پر سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار رہا۔ شروع

میں یہ سفید جھاگ تھے، (جو بعد میں منجمد ہو گئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی۔ پھر اسی کے نیچے زمین پھیلا دی گئی''۔

حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا، جس کا نام بیت المعمور تھا، اور آسمان کے فرشتوں کو اس کا طواف کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بناؤ۔ چنانچہ جب ملائکہ نے مکان تیار کر لیا تو اس کا نام صراح رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان کے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں، اسی طرح زمین والے بھی صراح کا طواف کریں''۔

بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ملائکہ نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور اس کا حج بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامَ** یعنی بیت اللہ شریف کو اس قدامت کا شرف حاصل ہے۔

سائل نے پھر استفسار کیا کہ بیت اللہ شریف کے بعد کونسی مسجد وجود

میں آئی۔ تو آپ نے فرمایا: **اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی** ۔ دوسرا درجہ بیت المقدس کو حاصل ہے۔ دریافت کیا گیا کہ دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے تو ارشاد فرمایا ''چالیس برس کا''۔

بہر حال تعمیر کعبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے یہ فریضہ سب سے پہلے فرشتوں نے انجام دیا، پھر آدم علیہ السلام نے، پھر شیث علیہ السلام نے۔ اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب تعمیرِ کعبہ کا حکم ہوا، وہ فلسطین میں مقیم تھے۔ اُن کی عمر اس وقت ایک سو چھ سال تھی، اسماعیل علیہ السلام، بیس برس کے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام مکہ آئے۔ باپ اور بیٹے۔ دونوں جائے تعمیر سے بے خبر تھے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے، انہوں نے ایک جگہ پاؤں مارا، یہ بعینہٖ وہی جگہ تھی، بیت المعمور کے نیچے، جہاں فرشتوں نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی تھی۔ جبرئیل کی اس نشان دہی پر پانچ مقدس پہاڑوں جبل طور، جبل زیتاء، جبلِ لبنان، جبلِ جودی اور جبلِ حرا کے پتھروں سے اللہ کے گھر کی تعمیر ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ:

''ابراہیم واسماعیل، دونوں کعبہ کی جائے تعمیر سے ناواقف تھے، اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی، ساتھ ہی ایک ندا آئی کہ اس کا سایہ جہاں پڑے، اس کا طول وعرض دیکھ لو۔ وہیں کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھو''۔

خلیل اللہ اور ذبیح اللہ نے کھدائی کی ابتداء کی تو پرانی تعمیر کی بنیادیں نظر آئیں۔مؤرخِ اسلام سید سلیمان ندویؒ (م:۱۹۵۳) نے بڑی پتہ کی بات کہی کہ: قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف تعمیرِ کعبہ کی جو نسبت کی ہے، وہ ایجاد کی نہیں، تجدید وتطہیر کی ہے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی بنیادوں پر پتھروں کو جوڑا ان کو جوڑنے کے لیے کوئی گارا استعمال نہیں کیا۔ یہ پتھر پانچ قسم کے تھے۔ ذبیح اللہ مزدور کی طرح پتھر ڈھوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام معمار کی طرح انہیں ایک پر ایک رکھ کر جماتے۔ پتھر کے ردے جب اس حد تک رکھے جاچکے کہ مزید زمین پر کھڑے ہوکر رکھنا ممکن نہ تھا تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک پتھر لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر چڑھ کر دیواریں مزید بلند کرنے لگے۔اس پر آپؑ کے نقش قدم اب تک محفوظ ہیں۔ یہ مقام ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔مشرقی سمت کی دیوار جب ایک خاص بلندی پر پہنچ گئی تو جبرئیل نے جبل ابوقبیس سے طوفان نوح سے محفوظ جنت سے لایا ہوا پتھر نکال کر دیا جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی بنیادوں پر کعبہ کی جو عمارت تعمیر کی وہ پچھلی جانب سے گول تھی۔اس کے دو رکن (کونے) تھے دونوں رکن یمانی کہلاتے تھے۔اب مشرقی سمت جس میں حجر اسود ہے رکن اسود کہلاتا ہے۔عمارت قدِ آدم اونچی

تھی۔ اس پر کوئی چھت نہ تھی۔ مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا جس کے کواڑ نہ تھے۔ یہ دروازہ زمین کے برابر تھا۔ اس کے دائیں جانب ایک گہرا گڑھا تھا۔ حطیم والا حصہ بیت اللہ میں شامل تھا جس سے کعبہ کی شکل مستطیل بن جاتی تھی۔

قریش کی تعمیر اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے تعمیر مستطیل کی بجائے مربع شکل کی کردی۔ حطیم کا حصہ الگ کر دیا۔ دروازہ قد آدم اونچا کر دیا تاکہ اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہو۔ نیز مضبوط دروازہ بنا کر تالا ڈالنے لگے۔ مضبوط اور عمدہ لکڑی کی چھت بنوائی جو چھے ستونوں کے سہارے پر تھی۔ چھت پر چڑھنے کے لیے رکن عراقی کی جانب اندر سے لکڑی کا ایک زینہ تیار کیا۔ چھت کے ساتھ پرنالہ بنا دیا جس کا پانی حطیم میں گرتا ہے۔

فضائلِ کعبہ:

اس مقدس گھر کی زیارت اور دیدار نہ صرف تسکین وطمانیت قلبی اور روحانیت کی غذا کے علاوہ ایمان کی جلا کا موجب ہے، بلکہ مغفرت وبخشش کا یقینی ذریعہ ہے۔ یہی ایک ایسی عمارت ہے جسے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کے فضائل ومناقب میں سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بیت اللہ شریف کی زیارت کو آیا اور پھر یہاں کسی سے

جھگڑا، بدزبانی اور فساد نہ کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک پیدا ہوا تھا''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ دن رات میں ایک سو بیس رحمتیں کعبہ شریف پر نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نماز پڑھنے والوں اور بیس ان کے لیے ہوتی ہیں جو صرف کعبہ شریف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کر رہے ہوتے ہیں''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''کعبہ شریف کو دیکھنا بھی عبادت ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایک ساعت کعبہ شریف کی تعظیم وتکریم کی نگاہ سے دیکھنا، درآں حالیکہ ایمان وتصدیق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کے لیے ہو، تو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے''۔

کعبہ شریف کو ایمان کامل اور یقین محکم کے ساتھ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور ایسا آدمی قیامت کے دن ''امن'' والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجد نبوی میں ایک نماز کا اجر ایک ہزار گنا ہے جب کہ مسجد حرام میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے''۔

علاوہ ازیں اس گھر کی ایک مخصوص عبادت ''طواف'' بھی ہے۔ جو ساری روئے زمین پر کسی مکان، مقام، عبادت گاہ یا کسی بھی چیز کا جائز نہیں ہے۔ جس طرح بیت اللہ شریف میں دوسری نیکیوں اور طاعات کا اجر و ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے، اسی طرح اس کا طواف کرنے سے بھی بے انتہاء اجر ملتا ہے۔

کعبۃ اللہ، قیامت تک قائم رہے گا۔مگر۔

کن فیکون کے لاریب اَمرِ تخلیق کی زد میں جو چیز بھی آئی، فنا اس کا مقدر ہو گیا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے ''**كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ**'' کی سند قائم کر دی۔ غریب کا جھونپڑا ہو یا قلندر کا کاخ، امیر کے محلات ہوں یا شہنشاہ کا تخت و تاج، کوئی چیز بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتی۔ کعبہ شریف بھی اس کی زد میں آتا ہے۔ کئی مرتبہ آگ کے شعلوں کی نذر رہوا، متعدد بار گرا اور بنا، بالآخر اسے بھی دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔

سیدنا ابی ہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیت اللہ شریف کی عدیم النظیر اور نادر الوجود عمارت اپنی ضوفشانی سے مسلمانان عالم کے قلوب منور کرتی رہے گی اور اس

سے رشد و ہدایت کے لا متنا چشمے بھی جاری رہیں گے۔حتیٰ کہ دنیائے قدیم اپنے انجام کے قریب پہنچ جائے گی''۔

یا جوج و ماجوج کے خروج تک، بلکہ اس کے بعد بھی کعبہ شریف کے پروانے اس کی زیارت سے شرف بارہوکر حج وعمرہ کی لازوال سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔ بالآخر ایک شقی ازلی کے ہاتھوں یہ عظیم المرتبت عمارت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ جو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

مخبرِ صادق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ایک چھوٹی پنڈلیوں والا، ٹیڑھے ہاتھوں والا، گنجا، کعبہ شریف کو خراب کرے گا۔ گویا وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے رقص کر رہا ہے۔ وہ ظالم ایک ایک پتھر اکھاڑ کر الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف چرا کر لے جائے گا، اور خزانہ کعبہ بھی لوٹ لے گا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کدال چلا رہا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) (بخاری)

اسمائے کعبہ:

کعبہ: وہ مقدس گھر جس کی نسبت تشریفی اللہ جل شانہ کی طرف ہے۔ اپنے شرف و امجد اور عزت و تکریم کے باعث ''کعبہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ ''کعب'' کسی چیز کی سر بلندی اور شرافت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس فرشِ خاکی پر یہ گھر بے انتہا معزز و مکرم، اشرف و امجد اور افخم ہے۔ جو

پیدائش میں بھی سب سے قدیم اور جس کی فضیلت ہر ایک چیز پر حاوی اور اغلب ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ ''کعبہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ لفظ لغوی اور معنوی اعتبار سے حسب ذیل مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

الکعب جمع **کعوب،** جس کے معنی بلند و مرتفع، بزرگی اور شرافت والی چیز کے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے۔ **اعلی اللہ کعبھم** اللہ تعالیٰ ان کی شان بلند کرے اور **رجل عالی الکعب** بڑی شان وشوکت والا مرد۔ گویا کہ یہ گھر بلند و بالا، عظمت وشان والا، رفیع الدرجات، عظیم المرتبت اور فخیم المنقبت ہے۔

بیت العتیق : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثم محلھا الی البیت العتیق

''پھر قربانیوں کو اس قدیم گھر تک پہنچاؤ''۔

اس آیت میں کعبہ شریف کو بیت العتیق کہا گیا ہے۔ اور عتیق کے معنی کہنہ اور پرانا کے ہیں۔ **عتق، عتقا، عتقا، عتق** سے ہو تو کہنہ اور پرانا معنی لیا جاتا ہے۔ چونکہ دنیا میں سب سے قدیم گھر یہی ہے اس لیے اسے عتیق کہا گیا۔ جیسا کہ اکثر روایات میں آتا ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس گھر کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور **عتق، عتقا، عتاقا، عتاقۃ** کے باب سے ہو تو اس کے معنی آزاد ہونے کے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی تشریح یوں کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ذی

شان مقام ہے جسے اللہ کریم نے مخلوق کی ملکیت سے آزاد قرار دیا ہے۔ اسے عتیق اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ جس خوش نصیب انسان کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ پروردگار عالم اسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اور اس معنی میں بھی یہ عتیق ہے کہ طوفان نوح کی عالمگیر تباہی سے اسے محفوظ رکھا گیا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اسے ظالم لوگوں کی دسترس سے آزاد کر دیا ہے، اس بنا پر بھی یہ عتیق کہلاتا ہے۔

المسجد الحرام: قرآن مجید میں اس متبرک گھر کو مسجد حرام کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً

فول وجھک شطر المسجد الحرام۔

[سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳]

''پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں''۔

ذالک لمن لم یکن حاضری المسجد الحرام۔

[سورہ البقرہ آیت ۱۹۶]

''یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ رہنے والے ہوں''۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ [سورہ بنی اسرائیل آیت ۱]

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو ایک رات کے اندر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی''۔

ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ

والمسجدالحرام ۔ [سورہ حج آیت ۲۵]

''بے شک جو لوگ کافر ہوئے وہ اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں''۔

بیت الحرام : اللہ رب العزت نے اس مقدس گھر کو بیت الحرام بھی کہا ہے:

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام ۔ [سورہ مائدہ آیت ۹]

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو عزت والا گھر بنایا ہے''۔

انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم ۔ [سورہ ابراہیم آیت ۲۵]

''میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس بنجر زمین میں بسایا ہے''۔

قرآن مجید اس ذی شان مکان کی غرض وغایت اور مقصود و مطلوب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

مبارکاً وھدی للعالمین [سورہ آل عمران آیت ۹۶]

''برکت والا اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے''۔

من دخلہ کان اٰمنا [سورہ عمران آیت ۹۶]

''جو آدمی اس کی حدود میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا''۔

مثابۃ للناس وامناً [سورہ بقرہ آیت ۱۲۵]

''تمام انسانوں کے لیے مرکز اجتماع اور پناہ گاہ ہے''۔

قیاماًللناسِ [سورہ مائدہ آیت ۹۷]

''لوگوں کے قیام کی جگہ''۔

سواء ن العاکف فیه والباد [سورہ حج آیت ۲۵]

''اس میں رہنے اور باہر سے آنے والے سب کے لیے برابر ہے۔

کفّارَہ: کفر سے اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔کفر بمعنٰی چھپانا، ڈھانپنا۔شریعت کی اصطلاح میں اُس فدیہ اور صدقہ کو کفارہ کہتے ہیں جو ایک شخص اپنی کسی کوتاہی اور تقصیر کی تلافی کے لیے کسی کو دیتا ہے، اس امید پر کہ اللہ، اس کے گناہ کو معاف کر دیں گے۔

ایک مُحرِم، دورانِ احرام اپنی کسی کوتاہی اور غلطی کا جو فدیہ دیتا ہے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔اس امید پر کہ میں نے حالتِ احرام میں جو غلطی کی ہے، اس فدیہ کے عرض اللہ اسے معاف کر دے گا۔ یہ فدیہ بھی'' کفارہ'' کہلاتا ہے۔

ل

لَعْنَۃ: اللہ کی رحمت سے دھتکارا جانا، اردو زبان میں بھی اسی معنٰی میں استعمال ہوتا ہے، جن معنٰی میں عربی میں، اللہ کی رحمت سے دھتکارا جانا، دنیا میں نیک کاموں پر عمل۔ بلکہ توفیق تک سے محروم کر دیتا ہے، اور آخرت میں عذابِ الٰہی کا سزاوار بنا دیتا ہے۔

[اللہ، ہر ایک کو محفوظ رکھے]

لُقْطَۃُ: کسی نامعلوم شخص کا کوئی مال یا کوئی چیز، جو کسی جگہ پر پڑا ہو۔ اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کا ہے۔ اُسے ''لقطہ'' کہتے ہیں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ارضِ حرم میں پڑی ہوئی کسی نامعلوم چیز (لقطہ) کو اٹھانا حرام ہے۔ صرف اس صورت میں اٹھانے کی اجازت ہے کہ حکومت ایسی اشیاء کے جمع کرنے کے جو مراکز بنا رکھے ہیں، وہاں جمع کرا دے۔

جن افراد کی اشیاء اس طرح گر جاتی ہیں، وہ ایسے حکومتی مراکز سے رجوع کرتے ہیں۔

م

مال: اہل عرب کے نزدیک ہر وہ چیز مال ہے جن کے حاصل کرنے اور اسے اپنی ملکیت میں رکھنے کی لوگوں میں خواہش ہو۔ اسی مفہوم کے مطابق ان کی نظر میں اونٹ، گائے، بکریاں، زمینیں، کھجوریں، سونا اور چاندی، سب چیزیں ''مال'' تھیں۔ اسی بنیاد پر عربی لغت کی دو مستند کتابوں ''القاموس المحیط اور لسان العرب'' نے لکھا: ''جس چیز کے تم مالک ہو جاؤ، وہ ''مال'' ہے''۔

اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ: ''ہر وہ چیز جس پر قبضہ ہو سکے، اور اس سے رواج کے مطابق فائدہ اٹھایا جا سکے، وہ مال ہے''۔

اس تعریف کی رو سے کسی ایسی چیز کو مال نہیں کہا جائے گا جس پر قبضہ نہ ہو سکے، اور رواج کے مطابق اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ کسی چیز کے فوائد بھی مال میں داخل ہیں۔ مال ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس پر قبضہ کیا جا سکتا ہو۔

شریعت نے حصولِ مال کے جو طریقے بتائے ہیں، اگر ان طریقوں سے حاصل کیا جائے گا تو حلال کہلائے گا، اور اگر حق کے بغیر اور باہمی رضا کو نظر انداز کر کے حاصل کیا جائے گا، تو

حرام کہلائے گا۔

مالِ حرام سے جو حج یا عمرہ ادا کیا جائے گا، اللہ کی بارگاہ میں وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

مالِ حلال سے ادا کیا ہوا حج اور عمرہ، اللہ کے نزدیک قبول ہوگا۔

مَأزور: گنہ گار۔ ''وزر'' سے اسم مفعول ہے۔ وِزْر کے معنٰی گناہ کے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: اگر تیرا حج، مالِ حلال سے ہے، تو وہ حج مقبول ہے، اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہیں۔ اور اگر حرام مال سے ہے تو وہ مقبول حج نہیں، اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا''۔

مَبِیْت: ''بات بیت'' سے ہے، رات گزارنا، جس نے رات کو پالیا، اس کو کہیں گے کہ ''اِس نے رات گزاری'' چاہے وہ سویا، یا نہیں سویا۔ سونا ضروری نہیں ہے۔

رات کو جو شخص، جہاں رہا۔ وہ وہیں کا رات گزارنے والا ''مبیت'' کہلائے گا۔

مبیت مزدلفہ: مزدلفہ میں رات گزارنے والے کو مبیت مزدلفہ کہا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک مزدلفہ میں رات گزارنا واجب ہے۔ بعض مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ وقوفِ مزدلفہ فرض ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مزدلفہ میں رات کا قیام واجب ہے۔
ذی الحجہ کی دسویں رات مزدلفہ میں گزاری جائے گی۔اور یہ
رات گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ طلوعِ صبح صادق سے یہ وقت
شروع ہوگا اور طلوعِ آفتاب ہونے پر ختم ہوگا۔

مبیت منیٰ: منیٰ میں رات گزارنے سے مراد یہ ہے کہ پوری
رات وہاں گزارے۔امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک منیٰ
میں رات گزارنا واجب ہے، اگر کوئی حاجی وہاں رات نہیں
گزارے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک
سنت ہے، اور وہاں رات نہ گزارنے والے پر کوئی چیز لازم
نہیں۔
منیٰ میں رات گزارنے سے مراد، تین راتوں کا گزارنا ہے۔
اور یہ راتیں گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ کی راتیں
ہیں۔

مَحْرَم: محرم، اس کو کہا جاتا ہے جس سے نکاح کرنا ہمیشہ
کے لیے حرام ہو۔خواتین کے لیے شروطِ حج میں اس کی تفصیل
گزر چکی ہے۔وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

مُحْرِم: حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والے کو ''مُحْرِم'' کہتے
ہیں۔عورت کو ''مُحْرِمَہ'' کہا جاتا ہے۔

مُحَرَّم: اللہ ،علیم وقدیر نے جس کام کا کرنا اپنے بندوں پر ممنوع قرار دے دیا ہو، اُسے ''مُحَرَّم'' کہتے ہیں۔یعنی حرام کیا ہوا،جس سے ہمیشہ کے لیے منع کر دیا گیا ہو۔جیسے۔کفر، گناہ کبیرہ، ظلم، جھوٹ، ناحق لوگوں کے مال کھانا، جوان کا ارتکاب کرے، وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور جو بالارادہ چھوڑ دے اور ان سے بچے، وہ اللہ کے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔اور ان ممنوعات کو جائز اور حلال سمجھے، وہ کافر ہے۔اسلام کے دائرے سے نکل جائے گا۔

مُحَرَّم کی (ممنوعہ افعال) دو صورتیں اور قسمیں ہیں۔ایک تو وہ، جو فی حد ذاتہٖ حرام ہیں جیسے شراب پینا، سور کا گوشت کھانا، ناحق کسی کا حق دبانا۔دوسری قسم وہ ہے کہ وہ افعال فی حد ذاتہٖ جائز اور حلال ہیں جیسے شکار کرنا، خوشبو لگانا، نکاح کرنا۔لیکن احرام کی وجہ سے ان کی عارضی طور پر ممانعت ہوگئی۔

مَحظُور: شریعت نے جس کام کو ممنوعہ قرار دے دیا ہو، اسے محظور کہتے ہیں۔بمعنیٰ ممنوع، مباح کی ضد ہے۔

مَحَلُّ الْهَدْی: ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ ''حرم'' ہے۔سوائے اس محرم کے جو محصور ہو گیا ہو، کہیں گھر گیا ہو اور وہاں سے نکل کر اس جگہ تک پہنچنا اس کے لیے ممکن نہ ہو، اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ جہاں محصور ہے وہیں اپنی ہدی ذبح کر دے۔ورنہ تو محرم کے

لیے عمومی حکم یہی ہے کہ وہ حرم میں ہدی ذبح کرے۔قرآن حکیم میں ہے:''**هدياًبالغ الكعبة** ''۔''**ثم محلها الىٰ البيت العتيق** ''۔محضور کے لیے کہا گیا:''**فان اُحصرتم فمااستيسرمن الهدى** ''۔

مَرْوہ: مروہ اور صفا، دو پہاڑیاں ۔ بلکہ یوں کہیے کہ دو پہاڑیوں کے نشانات، بیت اللہ کے قریب، جن کے درمیان سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔ اللہ، رحیم و کریم کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا تھا کہ اسے حج وعمرہ کا ایک رکن قرار دے دیا۔

ابن جبیر اندلسی نے مروہ اور صفا کا درمیانی فاصلہ ۳۹۴ میٹر بیان کیا ہے۔

مُزْدَلِفَهْ: مزدلفہ زَلف سے مشتق ہے جس کے معنی قریب اور نزدیک کے ہیں، چونکہ حجاج اس جگہ پہنچ کر منٰی کے قریب ہو جاتے ہیں جو حج کے مقامات میں سے ہے نیز زَلف ہموار اور صاف زمین کو بھی کہتے ہیں، اور یہ میدان بہ نسبت منٰی وغیرہ کے زیادہ ہموار ہے اس لیے اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا کی اس جگہ ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے کا یار و مددگار بن گئے تھے۔ جب کہ تعارف اس سے پہلے

میدان عرفات میں ہو چکا تھا۔

علاوہ ازیں ازلاف کے معنی اجتماع کے بھی ہیں، چونکہ حجاج اس جگہ نماز مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں اس لیے بھی اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔ اس نام کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مقام پر وقوف کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے۔

مکہ معظّمہ سے کوئی ۹ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ مِنیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے اور حجاج ۹ ذوالحجہ کو عرفات اسی راستہ سے ہو کر جاتے ہیں لیکن عرفات سے واپسی پر دوسرے راستہ سے آنے کا حکم ہے۔ اسی راستہ میں مزدلفہ پڑتا ہے۔ اس میدان میں رات گزارنا اور مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت اکٹھا پڑھنا واجب ہے، اور یہی اس جگہ کی مخصوص عبادت ہے۔ اس دن اس مقام پر اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ نماز مغرب کو موخر کیا جائے اور عشاء کے ساتھ پڑھی جائے۔

حج کا زمانہ بھیڑ بھاڑ اور دوڑ دھوپ کا ہوتا ہے۔ عرب، مغرب کے بعد عرفات سے روانہ ہوتے تھے۔ اسی حالت میں اگر منٰی کو براہ راست چلے جاتے تو راستہ کی خستگی سے چور ہو جاتے اس لیے انہوں نے ذرا سا سکون اور آرام اٹھانے کے لیے مزدلفہ کو ایک بیچ کی منزل قرار دے لیا تھا۔ اسلام نے اس کو اس لیے باقی رکھا کہ یہیں وہ مسجد واقع ہے جس کو مشعر الحرام کہتے ہیں

اور یہ عبادت کا خاص مقام ہے اس لیے عرفات سے شام کو لوٹ کر رات بھر یہاں قیام کرنا اور طلوعِ فجر کے بعد تھوڑی دیر عبادت کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

مَسْجِدِ حَرَام: مسجد حرام سے وہ کشادہ صحن مراد ہے جو بیت اللہ کے گرد بیرونی دیوار تک پھیلا ہوا ہے۔مختلف وقفوں سے اس میں جو بھی اضافہ اور توسیع ہوئی، یا ہوگی۔ وہ ''مسجدِ حرام'' کہلائے گی۔

روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا جانے والا پہلا گھر خانہ کعبہ ہے۔سورہ آل عمران کی آیت ۹۶ میں ارشاد ربانی ہے: ترجمہ:

''تحقیق پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت کے لیے) مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔بابرکت اور تمام جہاں کے لیے موجب ہدایت ہے''۔

''بکہ'' کے معنی ہجوم کی جگہ کے ہیں۔اس کے علاوہ بھی مکہ کے کئی نام ہیں۔حاطمہ (غرور توڑنے والا)، معاد (جائے پناہ)، ام القریٰ (شہروں کی ماں)، بلد الامین (پرامن شہر)، ام رحم، القرش، القادس، الصلاح، الطیبہ وغیرہ۔

یہ عمارت مکعب شکل کی ہونے کی وجہ سے کعبہ کہلاتی ہے۔ازلی اور ابدی حرمت کی حامل ہونے کی وجہ سے مسجد حرام کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کا خالص مرکز ہونے کی بناء

پر ''بیت اللہ'' ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اسے ''مسجد حرام'' کہا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۴ میں ہے: ترجمہ

''پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب پھیرلو'' سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا: ترجمہ

''وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات میں اپنے بندے کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں''۔

سورۂ فتح کی ۲۷ ویں آیت میں ارشاد ہے: ترجمہ

''بے شک اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا اور صحیح خواب دکھایا کہ تم اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترواکر امن و امان سے داخل ہو گے''۔

سورۂ توبہ میں دو مقامات پر ''مسجد حرام'' کا لفظ آیا ہے۔ آیت نمبر ۹ میں ہے: ترجمہ

''مشرک ناپاک ہیں انہیں مسجد حرام کے پاس جانے کی ہرگز اجازت نہیں''۔

آیت نمبر ۷ کا ترجمہ ہے:

''لیکن وہ لوگ جس سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے'' (صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے) اس طرح حدیبیہ کا مقام حرم میں شامل ہے۔

کعبہ کی بنیاد رکھنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ایماء پر مکہ مکرمہ کے چاروں طرف حد بندی کر کے نشان کے پتھر گاڑھے۔ یہی حدود حرم کہلاتے ہیں۔ مکہ سے جدہ کی سمت گیارہ میل، جعرانہ کی جانب چھ میل یمن کے راستے پر مقام اضاۃ کی طرف سے سات میل اور مدینہ منورہ کی جانب سے آتے ہوئے تنعیم ہے جو مکہ سے صرف تین میل ہے۔

دین حنیف کی تجدید کرنے والے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانات حرم کو از سر نو واضح بنوا دیا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد حضرت تمیمؓ بن اسید خزاعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نئے پتھر نصب کیے۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبدالملک بن مروان نے ان مقامات کی تجدید کی۔ ان نشانات کے درمیان کی زمین حرم شریف اور اس سے باہر کا حصہ ''حل'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام میں ایک دفعہ نماز پڑھنے کا ثواب عام مسجدوں میں ایک لاکھ مرتبہ نماز پڑھنے کے برابر ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ مسجد حرام میں پڑھی ہوئی ایک نماز میری اس مسجد (نبویؐ) سے سو گنا زیادہ اجر رکھنے والی ہے۔ ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ کرۂ ارض پر سب سے زیادہ حرمت والی جگہ مسجد حرام ہے۔

حرم کے سارے علاقے کی تعظیم وتکریم واجب ہے، ان حدود میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے۔

اللہ، رحیم وکریم کا ارشاد ہے: **انما اُمِرتُ اَنْ اعبد رب هٰذه البلدة الذی حرمها ولهٗ کل شیء، و أمرت ان اکون من المسلمین۔** (نمل (۲۷)، ۹۱)

(مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں، جس نے اسے محترم بنایا، ہر چیز اسی کی ہے، اور مجھے حکم ہے کہ میں اس کے فرماں برداروں میں رہوں)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''جب سے اللہ نے آسمان وزمین اور چاند سورج پیدا کیے ہیں، اسی دن سے مکہ کی زمین کو ''حرم'' قرار دیا ہے۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا، اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ دن کے تھوڑے سے وقت کے لیے میرے لیے اسے حلال قرار دیا گیا تھا''۔

یہ بھی ارشادِ رسولؐ ہے کہ: ''جب تک میری امت، حرم کی تعظیم وتکریم کرتی رہے گی، بھلائی سے مالا مال رہے گی، جب اس کی تعظیم چھوڑ دے گی، ہلاک ہو جائے گی''۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: بہت سے انبیاء جب حج کے لیے آتے تو حدودِ حرم میں داخل ہوتے وقت جوتے اتار دیتے۔ ننگے پاؤں مسجد حرام میں جاتے۔

حدودِ حرم میں غیر مسلم کا داخلہ ممنوع ہے۔ صرف اہلِ ایمان ہی

حرم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی حضور علیہ السلام کی بشارت ہے کہ: حدودِ حرم میں نہ طاعون کا مرض پھیلے گا، اور نہ دجال داخل ہو سکے گا''۔

اخبار مکہ کے موئف ابوالولید ازرقی لکھتے ہیں کہ: جب آدم علیہ السلام، مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اُنھیں اندیشہ ہوا کہ یہاں شیطان کوئی وسوسہ نہ ڈالے۔ اللہ نے فرشتوں کو مکہ کے چاروں اطراف میں مقرر کردیا تاکہ شیطان اس علاقے میں داخل نہ ہو سکے۔ جن جن مقامات پر فرشتوں نے پہرہ دیا تھا، وہاں حرم کے نشانات قائم کردیئے گئے۔ ان حدود کے اندر کا سارا علاقہ، حرم قرار دے دیا گیا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے مناسکِ حج ادا کیے تھے، اس وقت جبریل امین نے حدودِ حرم سے اُن کو آگاہ کردیا تھا۔

مسجد خَیْفْ: منٰی کی بڑی مسجد ہے۔ جمرۂ عقبہ کے نزدیک ہے، اسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے تعمیر کرایا تھا۔ نبی علیہ السلام نے یہاں اپنا خیمہ لگایا۔ اس مسجد کی پشت پر ایک جگہ ہے۔ ایک روایت کے مطابق سورۂ مرسلات، وہیں نازل ہوئی تھی، سورۂ الکوثر کا نزول مسجد خیف میں ہوا۔

نبی علیہ السلام نے یوم الترویہ یہاں قیام فرمایا، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اور پھر اگلے روز کی نمازِ فجر، اسی مسجد

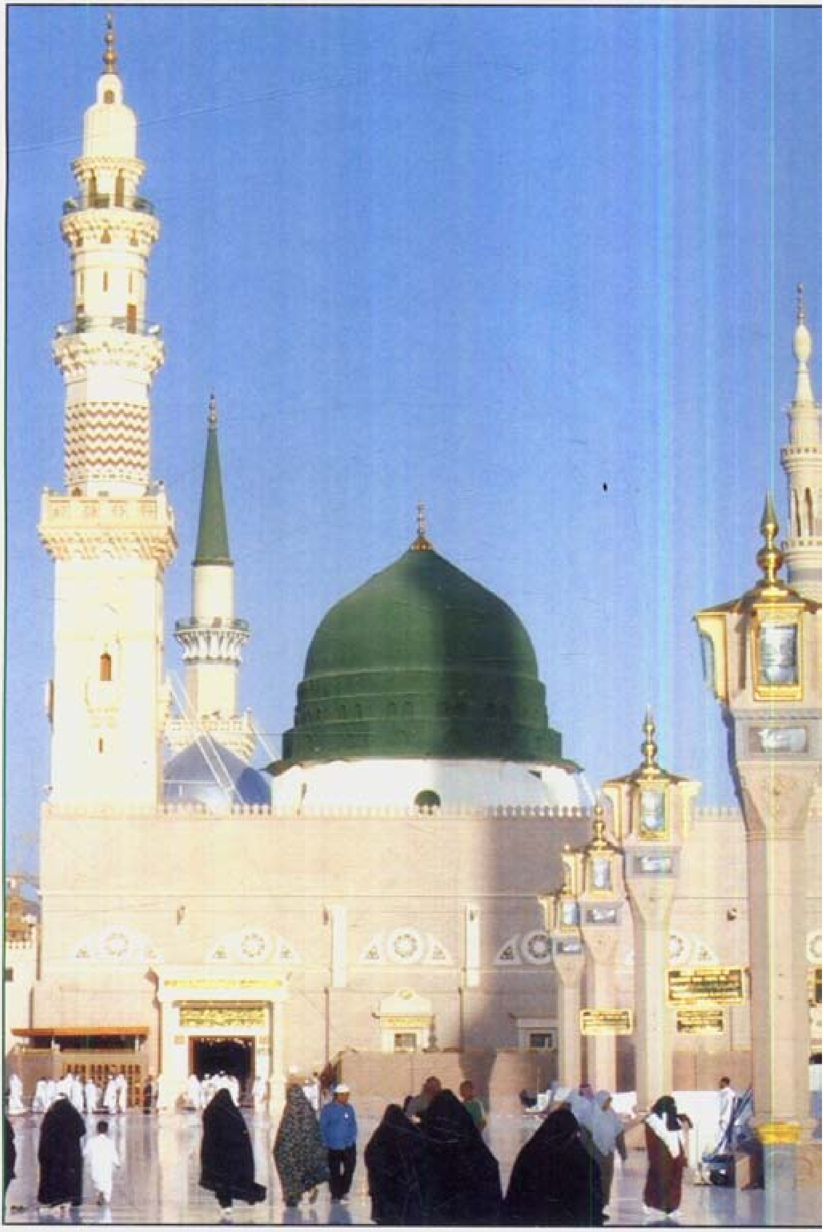
میں ادا کی۔

کوشش کریں کہ منیٰ کے دورانِ قیام، یہاں نماز ادا کریں۔

مسجدِ عائشہؓ: مکہ مکرمہ سے کم وبیش پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جگہ ہے ''تنعیم'' یہ مکہ کے رہنے والوں کا عمرہ کے لیے میقات ہے۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر سے آئے ہوئے وہ حضرات، جو زائد عمرے کریں، انھیں مسجدِ عائشہؓ آکر احرام باندھنا ہوتا ہے۔ اس علاقے میں یہ بہت بڑی اور شان دار مسجد ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مسجد کے ان کے نام سے منسوب ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔ احرام باندھنے والوں کے لیے مسجد میں تمام سہولتیں موجود ہیں۔ وافر تعداد میں غسل خانے بنے ہوئے ہیں۔

مسجدِ نبویؐ: جب بھی مکہ معظّمہ جائیں تو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے بغیر وطن کو ہرگز ہرگز نہ لوٹیں۔

جب زیارت قبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کریں تو چاہیے کہ اس کے ساتھ زیارت مسجد نبوئی کی بھی نیت کریں اس لیے کہ وہ ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے سوا اور کہیں کے لیے سفر نہیں کیا جاتا اور حدیث میں آیا ہے کہ سفر کا سامان نہ باندھا جائے مگر تین مسجدوں کے لیے: مسجد الحرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ، جب زیارت کے واسطے متوجہ ہو (اگر پیدل چلے تو مکہ



مسجدِ نبویؐ

مدینہ کے راستے میں جو مسجدیں ہیں ان میں نماز پڑھے اور وہ بیس مسجدیں ہیں)۔

جب مدینہ شریف میں داخل ہو تو یوں کہے:

بسم اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم صل علی محمدوعلی آل محمد، واغفرلی ذنوبی وافتح لی ابوب رحمتک وفضلک

(شروع کرتا ہوں میں نام خدا سے اے رب میرے داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنا دے میرے لیے حکومت مدد والی۔ یا اللہ درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور بخش دے گناہ اور کھول دے میرے لیے دروازے اپنی رحمت و فضل کے)

لازم ہے کہ انکسار اور عاجزی سے اس شہر معظم کی عزت کا دھیان کرتے ہوئے درود پڑھتا داخل ہو اور یہ تصور کرے کہ اس شہر کو کس ذات پاک کے رہنے سے شرف وجلالت حاصل ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم کی ہجرت گاہ ٹھہرایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تمام بلاد تلوار سے فتح ہوئے مگر مدینہ قرآن سے فتح ہوا ہے اور چاہیے کہ اپنے دل کو ہیبت اور عظمت مصطفوی سے بھرلیں اور وہاں چلتے ہوئے یہ تصور کرے کہ یہ گزرگاہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ امام مالک مدینہ میں سوار نہ

ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ میں وہاں سوار ہوں جہاں خود سرور دو عالم موجود ہوں۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَلـوانهم اذ ظلموا انفساهم جآءُوْکَ فاستغفروالله واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللّٰه توابا رحیماO

(پارہ ۵: النساء ۶۴)

''جب کوئی اپنے نفس پر ظلم کرے، گناہ کرے یا غلطی کرے تو آپؐ کے پاس آجائے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں (غلطیوں) کی معافی چاہے اور اللہ کا رسول بھی اس کے لیے معافی کی دعا فرمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت رحم کرنے والا (معاف کرنے والا) پائے گے''۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر زار زار رونے لگا اور روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہ گار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے مغفرت کی دعا کردیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لیے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے مغفرت کی دعا کریں''۔

اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں

روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی **قد غفر لک**، تیری مغفرت کر دی گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

(جس نے حج کیا اور اُس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بروایتِ ابن عمر)

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔

(جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا)

من زار قبری وجبت له شفاعتی

(جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی)

مدینہ منورہ کا ایک نام ''طابہ'' ہے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام ''طابہ'' رکھا ہے اور فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ حرام کیا اور اس کے لیے دعا کی تھی اور میں مدینہ منورہ کو حرام کرتا ہوں اور میں نے مدینہ منورہ کے لیے دعا کی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی''۔ اور پھر

فرمایا: ''مدینہ منورہ کا حرم، مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں جو زمین ہے یعنی ''جبل عیر'' اور ''جبل ثور'' تک وہ میری زبان میں حرام ٹھہرائی گئی۔ اس کا درخت نہ کاٹا جائے۔ اس میں کوئی بدعت نہ کی جائے اور جو کوئی بدعت نکالے اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اس بستی میں جانے کا حکم ہوا ہے۔ منافق اس کو یثرب کہتے ہیں اس کا نام مدینہ ہے۔

(یثرب: بمعنی ٹیلہ۔ یہاں پہلے جگہ جگہ بہت سے ٹیلے تھے۔ ہجرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ شہر ''مدینۃ النبیؐ'' کے نام سے موسوم ہوا یعنی نبی کا شہر)

اور فرمایا جو کوئی مدینہ والوں سے فریب کرے گا۔ اس طرح گل جائے گا جیسے نمک پانی میں گل جاتا ہے۔ مدینہ میں دجال کا خوف نہ ہوگا۔ دنیا میں کوئی ایسا شہر نہیں جس کو دجال نہ روندے گا۔ ضرور روندے گا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ، ان دونوں شہروں میں آنے کے جتنے راستے ہیں ان پر فرشتے صف باندھے پہرہ دے رہے ہوں گے، پھر مدینہ اپنے لوگوں پر تین بار لرزے گا اور اللہ ہر منافق اور کافر کو اس میں سے نکال دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ سوائے مسجد حرام کے'' (بخاری، مسلم)

دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے اور مسجد الحرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے''۔

(عام الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا ہزار نمازوں کے برابر ہے بالمقابل دوسری مساجد کے اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ کے برابر ہے بالمقابل دوسری مساجد کے)

ایک موقع پر نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا:

''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مدینہ کی زمین میں اللہ کی کیسی کیسی رحمتیں ہیں تو وہ سختی اور مصیبت میں بھی اِس زمین کو نہ چھوڑیں، اسے دانتوں سے پکڑ لیں''۔

جب مدینہ منورہ جانے کی سعادت ملے اور شہر میں داخل ہو کر گنبدِ خضراء یا مسجد نبویؐ پر نظر پڑے تو کثرت سے درود شریف پڑھیں۔

مسجد نَمِرَہْ: عرفات کے ایک کنارے پر ہے، نون کے زبر اور میم کے زیر کے ساتھ، اکثر لوگ نمرہ بولتے ہیں، میم کے سکون کے ساتھ۔ ذی الحجہ کی نو تاریخ کو یہاں خطبہ دیا جاتا ہے، ظہر اور عصر کی نمازیں اسی مقام پر اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ دونوں نمازوں

میں قصر ہوتا ہے۔

نمرہ کی پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹا سا غار ہے۔ اس غار کے ساتھ نبی علیہ السلام کا خیمہ لگایا گیا تھا۔ نمرہ سے متصل ہی جبلِ رحمت ہے، جس کے دامن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

مَشْعَرِ حَرام: مشعرِ حرام، ایک پہاڑ کا نام ہے۔ لیکن مزدلفہ کو مشعرِ حرام بھی کہا جاتا ہے۔ مشعر کے معنٰی، شعار، نشان اور علامت کے ہیں۔ حرام کے معنٰی محترم، مقدس۔ معنٰی یہ ہیں کہ یہ پہاڑ، اسلامی شعار کے اظہار کے لیے ایک مقدس اور پاکیزہ مقام ہے۔ آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے بطور خاص اللہ کے ذکر اور تحمید و تقدیس کے لیے اس جگہ کو پسند فرمایا اور اپنے کلامِ مبین میں ان لوگوں سے کہا، جن کو وہاں جانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے: فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ (۲/۱۹۸)۔ (جب تم طوافِ بیت اللہ کے لیے عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے قریب اللہ کو یاد کرو)۔

ذکر سے مراد یہاں، دعاء تسبیح و تہلیل تلبیہ اور تکبیر ہے۔

اس ارشادِ ربانی کی تاثیر ہے کہ توحید کا جو بھی پرستار وہاں پہنچتا ہے، بے ساختہ اور بے ارادہ بھی اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ زبان سے تکبیر و تہلیل کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ اور وہ انتہائی وارفتگی کے عالم میں مالک و رازق کے آگے اس کی

رحمتوں کی بھیک مانگنے کے لیے اپنا دامن پھیلا دیتا ہے۔

مقامِ ابراھیمؑ: کعبۃ اللہ کی دیواریں جب ہاتھ کی بلندی تک چنی گئیں، تو حضرت اسمٰعیلؑ ایک پتھر لائے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے دیواریں مزید بلند کرنا شروع کیں۔ روایت ہے کہ یہ پتھر آپ ہی آپ بلند ہوتا اور جب حضرت ابراہیمؑ اس پتھر سے اترنا چاہتے تو یہ پتھر خود بخود پست ہو جاتا۔ اس پر معمارِ حرم کے نشانِ قدم اب تک موجود ہیں۔ اسی کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ پہلے مقام ابراہیم کعبہ سے بالکل ملحق تھا۔ دور فاروقی تک یہی صورت رہی۔ حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو اعلان فرمایا کہ مقام ابراہیم اب جس جگہ پر ہے وہ اس کا اصل مقام نہیں۔ قریش نے سیلاب کی زد سے بچانے کے لیے اسے اصل جگہ سے ہٹا دیا ہے۔ اگر اس کا اصل محل معلوم ہو جائے تو اسے وہیں رکھا جائے، ایک شخص ابن عمر بن مخزوم نے کہا کہ اے امیر المومنین! مجھے اس کی اصل جگہ معلوم ہے، جس وقت قریش نے اسے وہاں سے ہٹایا تو میں نے ایک رسّی کی مدد سے اصل محل کا اندازہ کر لیا تھا۔ میں نے اس رسّی کا ایک سرا بیت اللہ کے رکن اول کے پاس رکھا اور دوسرا مقام ابراہیمؑ تک لے جا کر گرہ لگائی۔ یہ رسی میرے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت عمرؓ نے وہ رسّی طلب کی اور اسی اندازے کے مطابق مقام ابراہیمؑ کو اس کی پرانی جگہ پر لے آئے اور مسلمانوں کی توجہ حکم رب کی طرف مبذول کروائی۔

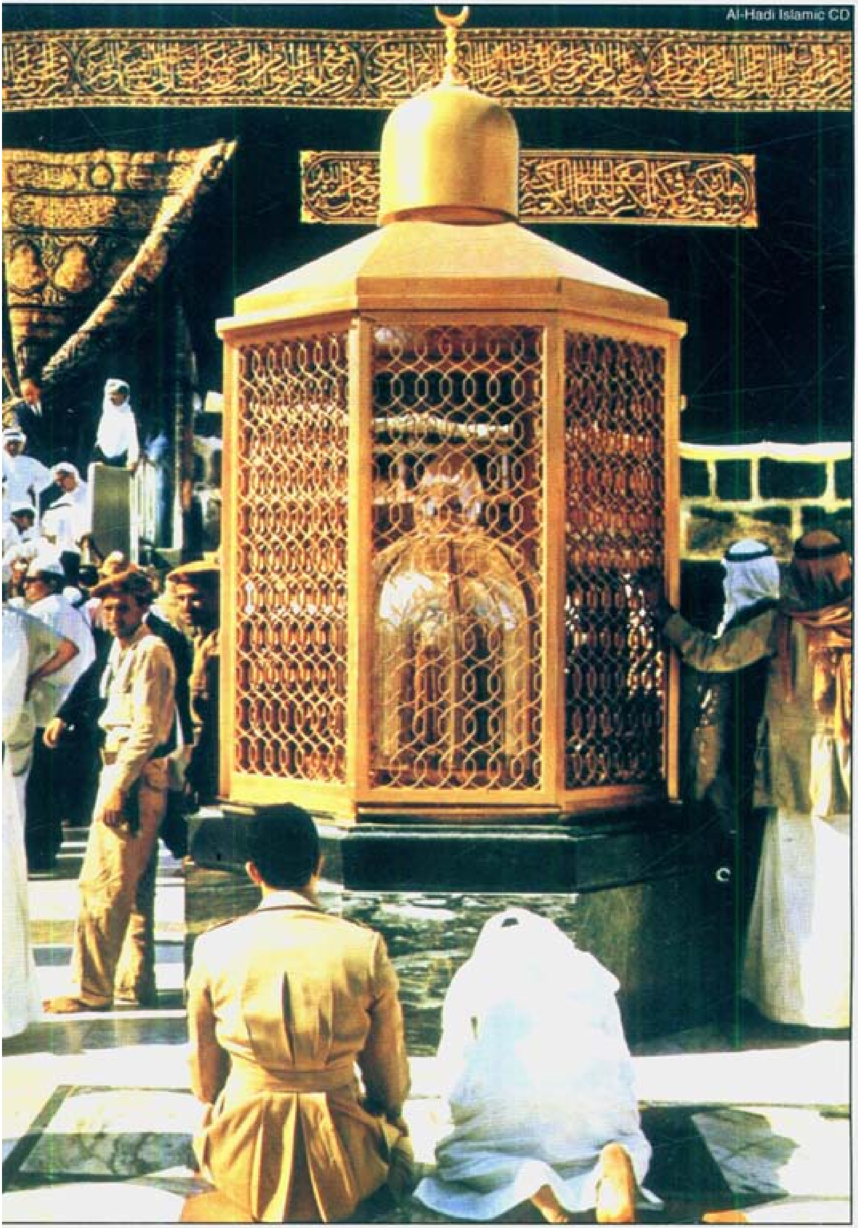
''کعبہ میں مقام ابراہیمؑ کو مصلّٰی بناؤ''۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے اور خود مسجد حرام میں نماز ادا کرنے والوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ مسجد حرام میں امام کا قبلہ وہ جگہ ہے جہاں سے حرم کے موذن اولیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا تھا۔ مسجد حرام میں جماعت کا امام اسی مقام کو اپنا مصلّٰی بناتا ہے۔

ایک زمانے تک ''سنگ ابراہیم'' مطاف کے باہر مشرق کی طرف باب السلام اور کعبہ کے درمیان ایک چھوٹی سی آٹھ فٹ بلند عمارت میں ایک صندوق میں رکھا رہا۔ شاہ فیصل شہید نے ۱۳۸۷ھ میں اسے ایک شفاف بلورین صندوق میں منتقل کیا جس میں سے یہ پتھر صاف نظر آتا ہے۔

خلیلؑ اللہ اور ذبیح اللہ کے ہاتھوں بنائی جانے والی حرمت و عزت والی مسجد کو ام المساجد یعنی تمام مسجدوں کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں بننے والی مساجد اس کی فروع (شاخیں) ہیں۔ اسی لیے قبلہ کا رخ اس سے متعین کیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ میں فرمایا گیا: ترجمہ

''اس میں کھلی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے جو شخص اس گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے''۔



مقام ابراہیمؑ

مُلْتَزَم: باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان چھ فٹ کا حصہ، جسے ملتزم کہا جاتا ہے، یعنی چمٹنے کی جگہ۔

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں:

سمی بذالک لالتزامه بالدعاء التعوذ۔

''دعا اور تعوذ کے التزام ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مقام پر کھڑے ہو کر اپنا سینہ اور رخسار دیوار سے چمٹائے، دونوں بازو اور ہاتھ دیوار پر پھیلا دیئے اور کہنے لگے میں نے اسی طرح اپنے آقا اور مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے کہ اس جگہ جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے، چنانچہ انہوں نے تجربہ کیا تو صحیح ثابت ہوا۔

سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی طواف سے فارغ ہو کر اس جگہ دعا مانگی تھی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ آب زمزم پینے کے بعد ملتزم پر آئے تکبیر و تہلیل اور حمد باری تعالیٰ کرتے اور درود شریف پڑھتے ہوئے ملتزم سے چمٹے۔ اپنے رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگائے۔ غلاف پکڑ کر ہاتھ پھیلا کر اس غفور الرحیم سے دعا مانگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا۔ دعا کی قبولیت کے مخصوص مقامات میں ملتزم بھی ہے۔ زائرین کے تجربات اس کے شاہد ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ طواف کے ساتھ چکر پورے کر لینے کے بعد پہلے ملتزم پر آئے پھر طواف کے نفل ادا کرے، اس کے بعد وہاں آبِ زمزم پیئے اور پھر حجرا سود پر آ کر اس کا استلام سعی کے لیے کرے اور یہ طریقہ زیادہ آسان اور افضل ہے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اگر ہجوم کی وجہ سے ملتزم تک جانا یا وہاں کھڑا ہونا مشکل ہو تو اس کے برابر میں دور کھڑے ہو کر دُعا کر لیں، کیونکہ یہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے، جب کہ ہجوم کی حالت میں وہاں کھڑا ہونا اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی تکلیف کا موجب ہوتا ہے، خصوصاً عورتوں کو ایسی حالت میں اس سے بچنا فرض ہوگا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ جس آدمی نے ملتزم کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ پیدائش والے دن گناہوں سے پاک تھا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ رب العزت کی قسم ہے کہ میں نے جب کبھی ملتزم کے پاس دعا کی، وہ قبول ہوئی۔

مَنْحَر: وہ مقام جہاں ہدی کو ذبح کیا جاتا ہے، اور وہ جگہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی ذبح کی تھی۔ وہ جگہ منٰی میں مسجد خیف سے متصل تھی۔ منٰی، سارا کا سارا منحر ہے۔

آپ کا فرمان ہے۔منٰی سارا کا سارا منحر ہے، جو جہاں ٹھہرا ہوا ہے وہیں اپنا جانور ذبح کرے‘‘

آج کے حالات میں یہ ممکن نہیں رہا کہ ایک محدود مقام میں لاکھوں افراد جانور ذبح کریں،حکومتِ سعودیہ نے بہت سے مقامات پر منحر اور قربان گاہیں بنادی ہیں۔اور قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے ادارے بنادیئے ہیں، وہ حجاج کی قربانیوں کا انتظام کرتے ہیں۔یہ بات ممکن نہیں رہی کہ ہر حاجی اپنا قربانی کا جانور خود ذبح کرے۔

منٰی: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے کسی نے پوچھا کہ منٰی کا میدان بہت تنگ نظر آتا ہے،لیکن ایام حج میں حجاج کے لیے کشادہ ہوجاتا ہے۔تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ منٰی اپنے اہل کے لیے اسی طرح کشادہ ہوجاتا ہےجس طرح ماں کا رحم بچے کے لیے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ اس کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام مناسک حج سے فارغ ہوکر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ کی کوئی اور تمنا ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا،اب صرف جنت کی تمنا ہے اور لفظ منٰی تمنٰی سے مشتق ہے۔علاوہ ازیں یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔منٰی بمعنی یمنی الدماء،یعنی ایسی جگہ جہاں قربانی کے جانوروں کا خون

بہایا جاتا ہو۔

علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۱۸ھ میں میدانِ منٰی کی چوڑائی ۶۳۸ میٹر بیان کی ہے

لیکن اس وقت اس کا عرض ڈیوڑھا ہوگیا ہے۔۱۳۹۳ھ میں سعودی حکومت نے توسیع کا جو عظیم منصوبہ بنایا، اس کے باعث منٰی میں جنوب واقع جبل ثبیر کا بہت سا حصہ کاٹ کر کشادہ سڑکیں بنا دیں۔ علاوہ ازیں مسجد خیف کے قریب سے ایک سرنگ حرم شریف تک بنائی گئی ہے جو تمام تر ایئر کنڈیشن اور بجلی کی ٹیوبوں سے منور ہے۔ اس میں نہایت کشادہ پختہ سڑک بنی ہوئی ہے تاکہ پیدل چلنے والے حجاج کو آسانی ہو۔ مکہ مکرمہ سے منٰی کا فاصلہ ۷ کلو میٹر ہے، جبکہ سرنگ کے راستہ سے ۵ کلو میٹر ہے۔

مواقیت: **یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج** (بقرہ (۲)، ۱۸۹)

[لوگ]، چاند کے بارے میں آپؐ سے پوچھتے ہیں۔

کہہ دیجئے۔ کہ چاند، لوگوں کے لیے اور حج کے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔]

مواقیت:

مواقیت، ''میقات'' کی جمع ہے۔ بروزن مفعال: محدود و معین وقت کو میقات کہتے ہیں۔ یہاں مجازاً مکان معین کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ ان جگہوں کے لیے مستعار لے لیا گیا ہے۔

جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں۔

میقات کا اطلاق، میقاتِ زمانی اور میقاتِ مکانی۔ دونوں پر ہوتا ہے۔

میقاتِ زمانی، جو زمانہ اور وقت کی طرف منسوب ہو۔ میقاتِ مکانی، جس کی نسبت جگہ اور مکان کی طرف ہو۔

میقاتِ زمانی کے احکام:

حج کے لیے میقات زمانی، حج کے مہینے ہیں، ماہ شوال، ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن۔

مسئلہ

حج کے مہینوں میں ہی افعال حج صحیح ہوتے ہیں، خواہ وہ افعال واجب ہوں۔ مسنون ہوں یا مستحب ہوں۔ اگر ان مہینوں سے پہلے حج کا کوئی فعل ادا کیا تو صحیح نہ ہوگا۔

مثلاً قارِن یا متمتع نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا طواف کیا یا حج کی سعی طواف قدوم کے بعد حج کے مہینوں سے پہلے کر لی، تو سعی نہ ہوگی۔

مسئلہ

حج کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے باندھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مواقیتِ مکانی:

مواقیت کی دوسری قسم مواقیتِ مکانی ہیں۔ جو مختلف جگہ کے لوگوں کی وجہ سے مختلف مقامات ہیں یہ ایسے مقامات ہیں جہاں سے

احرام باندھنا واجب ہوتا ہے اور بغیر احرام وہاں سے گزرنا حرام ہے۔ اور یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو آفاق سے آ کر میقات سے گزر کر مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''احرام کے بغیر، میقات سے آگے نہ بڑھو''۔

''مکۂ مکرمہ میں کوئی شخص، احرام کے بغیر داخل نہ ہو''۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میں نے میقات سے گزر کر احرام باندھا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔؟'' آپؐ نے فرمایا: تو، واپس چلا جا۔ اور میقات سے احرام باندھ، تلبیہ پڑھ اور پھر حرم میں آ، ورنہ تیرا حج نہیں ہوگا''۔

میقات کا تعین کب ہوا۔؟

صحابہ اور محدثین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ میقات کا تعین، حضور اقدسؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ۔ میقات کا تعین کس سن میں ہوا۔؟ انہوں نے جواب دیا: میقات کا تعین حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر کیا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتحِ مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر آہنی خود تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

یہ روایات ظاہر کرتی ہیں کہ میقات کی تعیین، فتحِ مکہ کے بعد

ہوئی۔

بعض اہل علم، حجۃ الوداع سے پہلے میقات اور حدودِ حرم کے تعین کے قائل ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں سے آنے والوں کے لیے احرام باندھنے کی جگہوں کا تعین اس طرح فرمایا ہے۔ یہی جگہیں اور مقامات، ''میقات'' کہلاتے ہیں:

مدینہ والوں کے لیے:	ذوالحلیفہ
شام والوں کے لیے:	جحفہ [موجودہ نام، رابغ]
نجد والوں کے لیے:	قَرنُ المنازل
یمن والوں کے لیے:	یَلَمْلَمْ
عراق والوں کے لیے:	ذاتِ عِرق
پاک و ہند والوں کے لیے:	قرن المنازل
مکہ والوں کے لیے:	مکہ ہی ہے

مکۂ مکرمہ سے مواقیت کے فاصلے:

- مکہ سے ذوالحلیفہ کا فاصلہ ۱۹۸ میل، مدینہ سے ۶ میل۔
- مکہ سے جحفہ کا فاصلہ ۸۸ میل۔ [جحفہ سے رابغ کا فاصلہ ۱۵ میل]
- مکہ سے قرن المنازل کا فاصلہ ۵۰ میل۔
- مکہ سے یلملم کا فاصلہ ۳۰ میل۔
- مکہ سے ذات عرق کا فاصلہ ۴۲ میل۔

مِیزَابِ رَحمت: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی نہ تو چھت بنائی تھی اور نہ ہی پرنالہ۔ اسی طرح قصی بن کلاب تک چھت اور پرنالہ کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ملتی۔ البتہ قریش نے چھت بناتے وقت پرنالہ بھی بنایا، جس کا پانی حطیم میں گرتا تھا۔ اس کے بعد متعدد بار اسے تبدیل کیا گیا۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد سلطان عبدالمجید خان بن سلطان محمود خان نے قسطنطنیہ میں سونے کا میزاب بنوایا، اور ۱۲۷٦ھ میں رضا پاشا کے ہاتھ بھیج کر کعبہ شریف کی زینت بنایا، اس زمانہ میں مکہ کا امیر شریف عبداللہ بن محمد بن عون تھا۔ پہلا میزاب اتار کر نئے میزاب کو زینت بخشی گئی، جس پر تخمیناً ۵۰ رطل سونا صرف ہوا تھا جو آج تک جلوہ نما اور رونق افروز ہے۔

علامہ طاہر کردیؒ نے میزاب رحمت کی پیمائش حسب ذیل بیان کی ہے: طول ۲۵۸ سینٹی میٹر، عرض اندر سے ۲٦ سینٹی میٹر اور اونچائی ۵۸ سینٹی میٹر ہے۔ کعبہ شریف کی دیوار میں میزاب کے اوپر ایک بڑا وزنی پتھر نصب ہے، جس کا طول ا۔ میٹر ۲۰ سینٹی میٹر اور عرض نصف میٹر ہے۔ میزاب کا اگلا حصہ زبان کی مانند ہے، جو نیچے لٹکا ہوا اور متحرک بھی ہے۔ اسے ''لسان'' اور ''برقع'' بھی کہتے ہیں۔ اس حصہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے نیچے یا اللہ لکھا ہوا ہے۔

مِیلَین اَخضَرَین: ''میلین اخضرین'' بمعنی ''سبزوں کے

درمیان'' صفا، مروہ کے درمیان ایک نشیبی جگہ جہاں سے حضرت ہاجرہ دوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا جاتی تھیں کیونکہ اس جگہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ اب تو یہ جگہ ایک برآمدہ کی شکل میں تبدیل کر دی گئی ہے اور اس جگہ کی نشان دہی کے لیے چھت پر ہرے رنگ کی بجلی کی ٹیوبیں لگا دی گئی ہیں اس لیے اسے ''میلین اخضرین'' کہتے ہیں کیونکہ ان کے درمیان حجاج عام رفتار سے تیز چلتے ہیں (سوائے عورتوں کے)۔

ن

نحر: نحر کے معنی قربانی دینا ہے۔ اونٹ کی قربانی کو ذبح کے بدلے نحر کہتے ہیں۔

پارہ ۱۷ سورہ الحج آیت ۳۶ میں اونٹ کی قربانی کا ذکر ہے:

والبدن جعلنها لکم من شعآئر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صوآف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر، کذٰلک سخرنہا لکم لعلکم تشکرون۔ [حج (۲۲)، ۳۶]

[اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے۔ تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے۔ اُنھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، اور جب قربانی کے بعد ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو منتظر بیٹھے ہیں یا سوال کر رہے ہیں۔ ان جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ تاکہ تم شکرگزار بنو۔]

نحر کا لفظ صرف اونٹوں کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ ان کا کھڑے کر کے ذبح کرنا آسانی کی خاطر ہے۔ اونٹ کو لٹا کر ذبح نہیں کرتے بلکہ تین پاؤں پر کھڑا کر کے بایاں ہاتھ زمین سے اٹھا کر گھٹنے سے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور قبلہ رخ کھڑا کر کے نحر کرتے

ہیں اور اگر بہت سے ہوں تو انہیں قطار میں کھڑا کر لیتے ہیں اور **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کر نیزا اونٹ کے سینہ سے ذرا اوپر مارتے ہیں۔ جب خون نکل جاتا ہے تو وہ کسی کروٹ گر پڑتا ہے۔ اس وقت اس کا گوشت کھال سے الگ کرتے ہیں اور اسے نحر کہتے ہیں ذبح نہیں کہتے۔ یہ اونٹ کی قربانی کا خاص طریقہ ہے۔

نَذَرْ: جائز اور نیک کاموں میں سے کوئی ایک نیک کام آدمی اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر۔ یہ کہ کر کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنے روزے رکھوں گا، یا اتنا صدقہ کروں گا۔ مثلاً۔ اس لزوم کو ''نذر'' کہتے ہیں۔

ایسا کرنا، شریعت نے کسی پر بھی واجب نہیں کیا۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو ضرورت ہو، اللہ سے مانگو۔ اسے پورا کرنے کی درخواست اللہ سے کرو۔ ضرورت پوری ہونے کی صورت میں کوئی نیک کام کرنا، یہ نذر ماننے والا خود اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔ لیکن جب لازم کر لیتا ہے تو پھر اسے پورا کرنا شریعت کی طرف سے بھی واجب ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: ''**ولیوفوا نذورھم**'' اپنی نذروں کو پورا کرو۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ میرا اگر فلاں کام ہو گیا تو میں حج کروں گا۔ جس کام کے لیے نذر مانی تھی، وہ ہو گیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ اس شخص نے فرض حج ادا ہی نہیں کیا۔ تو کیا فرض حج ادا کیے بغیر، نذر کا حج کر سکتا ہے۔؟

ایک قول یہ ہے کہ نذر کا حج کرنا واجب ہے۔ کیوں کہ نذر پوری کرنا واجب ہے۔ اور یہ نذر کا حج، اسے حج فرض سے مستغنی کر دے گا۔ یعنی فرض حج ادا کرنا نہیں پڑے گا۔

اس قول کی وجہ (ناچیز راقم کو) یہ معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ نذر ماننے والے پر حج فرض ہی نہ ہو۔ مقصد ... آری کی خاطر حج کرنے کی نذر مان لی ہو۔ پھر دیکھا یہ گیا ہے کہ اس طرح کے کام عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں مسائل کا علم نہیں ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر اس پر حج فرض ہے تو پہلے فرض حج کرے۔ اس کے بعد نذر کا حج کرے۔

نذر ماننے والا اگر نذر پوری کرنے سے پہلے (یعنی حج کرنے سے پہلے) فوت ہو جائے تو اس کے متروکہ مال میں سے حج کرایا جائے۔

نَعَمْ: چوپایہ، اونٹ، گائے، بکری۔ یہ بھی رائے ہے کہ اہلِ عرب، صرف اونٹ کو نَعَمْ کہتے ہیں۔ مُحرِم، چوپایوں میں سے کسی کا شکار کرے تو قرآن نے اس کے بارے میں کہا: **فجزاء" مثل ماقتل من النعم** ۔ (۵/ ۹۵) ۔ یعنی جب محرم نے کسی چوپائے کو دانستہ شکار کیا، تو اس کی جزا یہ ہے کہ شکل وصورت اور قیمت میں اسی جیسا جانور ذبح کرے۔ اس آیت میں ''نعم'' سے چوپائے مراد ہیں۔ اَنعام'' بولا جاتا ہے تو اس سے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری مراد ہوتی ہے۔

نَفْر: حاجی کا منیٰ سے نکلنا، اور مکہ چلے جانا، دو یوم میں یا تیسرے روز۔

ذی الحجہ کی نو تاریخ کو حاجیوں کے عرفات سے مزدلفہ روانگی کو ''نفروا'' سے تعبیر کرتے ہیں۔لغت عرب میں ''نفر'' کے معنٰی یہی آتے ہیں کہ ایک کام کو چھوڑ کر دوسرے کام کی طرف جانا۔یا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا۔

نَفَقَةُ الحج: حج کے اخراجات۔اس کی تفصیل شرائطِ حج میں گزر چکی۔وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

نَفْل: شریعت کی اصطلاح میں، فرض کے علاوہ جو زائد نیکی کی جائے وہ ''نفل'' کہلاتی ہے۔مثلاً: دن ورات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ان کی ادائیگی پر بھی ثواب ملتا ہے، ایک شخص، پانچ فرض نمازوں کے علاوہ مزید نمازیں بھی پڑھتا ہے۔اللہ کی رضا کے لئے۔جن کے پڑھنے کا اُسے حکم نہیں ہے۔اور اگر نہ پڑھے تو کوئی باز پرس نہیں، تو اس اضافی نماز کو''نفل'' کہیں گے۔

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: **مایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ أحبه** '''۔(جو بندہ میرا قرب حاصل کرنے کی خاطر نوافل ادا کرتا ہے۔یعنی جتنی عبادت میں نے فرض کی ہے، اس سے زائد کرتا ہے، میں اس کو محبوب رکھتا ہوں)۔

نِیَّۃ: دل میں میں کسی نیک کام کے ارادے کو ''نیت'' کہتے ہیں۔ مثلاً: یہ ارادہ کرنا کہ میں آج دس پارے قرآن حکیم کے تلاوت کروں گا۔ یا آج کسی غریب آدمی کی مدد کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس ارادہ اورعزم کو ''نیت'' کہا جاتا ہے۔

عزم اور ارادہ کی قید سے سونے والا، او۔ بے ہوش آدمی خارج ہوگیا۔ اور ''نیک کام'' کی شرط سے وہ شخص یا وہ کام خارج ہوگیا، جو کسی دنیوی یا ناپسندیدہ کام کا ارادہ کرے۔ ایسے ارادے کو شریعت کی اصطلاح میں ''نیت'' نہیں کہتے۔

نیک کاموں کی نیت میں ''اسلام'' شرط ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''لوگوں کے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ اور اعمال سے نیک اعمال مراد ہیں۔ حج، اگر کاروبار اور باہمی روابط کے لیے کرتا ہے تو یہ قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں بنے گا، نیت، قربِ الٰہی کی ہے تو اس کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے حضور نے فرمایا: جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت انہی کے لیے ہے۔ اور جس نے کسی عورت سے شادی کی خاطر ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اس عورت کے لیے ہے''۔

اللہ سے اور اس کے رسول سے اس کی ہجرت کا کوئی واسطہ نہیں۔

و

واجب: واجب، اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب ملے اور نہ کرنے پر سزا کا مستحق ہو۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ: جو حکم، دلیل ظنی سے ثابت ہو، وہ واجب ہے۔

جو حکم، دلیل قطعی سے ثابت ہو، وہ فرض ہے۔فرض کا انکار کرنے والا کافر ہے۔اور واجب کا انکار کرنے والا فاسق اور گمراہ ہے۔اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

وادی مُحَسَّر: مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستے میں ''وادی محسر'' پڑتی ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ کے لشکر پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا، جس کا سورۃ فیل میں ذکر کیا گیا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے گزرے تو صحابہ سے فرمایا: یہاں سے جتنا جلدی ممکن ہو، گزر جاؤ۔یہ وہ جگہ ہے جہاں اصحابِ فیل پر عذاب نازل ہوا تھا۔آپؐ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اس علاقے میں نہ ٹھہرتے تھے، نہ وہاں کی کوئی چیز کھاتے تھے۔حتیٰ کہ پانی تک نہیں پیتے تھے، جہاں کسی قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہو۔

بعض غزوات میں آپ کو حجر اور دیارِ ثمود سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی آپؐ نے یہی اعلان کیا کہ: ''یہاں سے جتنا جلد ممکن ہو گزر جاؤ۔ کوئی شخص، یہاں کی کوئی چیز نہ کھائے اور نہ یہاں سے پانی پیئے''۔

''وادی محسر'' کے بارے میں کہا گیا کہ۔ جو نہ مزدلفہ کا حصہ ہے اور نہ منٰی کا، نزولِ عذاب کی جگہ ہونے کے باعث، اسے نہ مزدلفہ کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے نہ منٰی کے ساتھ۔ کسی زمانے میں منٰی کا حصہ تھا۔

وقوفِ عرفات: ''وقوف'' کے معنی ہیں، ''کھڑا ہونا اور ٹھہرنا'' حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں:

حج کا سب سے اہم رکن ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے۔ حجاج ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلتے وقت ہی منٰی سے عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں اور دوپہر کو یا اس سے پہلے عرفات کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ دوپہر سے سورج کے غروب ہونے تک حاجیوں کو وہیں رہنا پڑتا ہے۔ اس قیام کو اصطلاح میں وقوف کہا جاتا ہے اگر یہ ایک لحظہ کے لیے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے دن اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصہ میں بھی نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ حج کے دوسرے ارکان ومناسک یعنی طواف، سعی، رمی،

جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے۔لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس کا کوئی تدارک نہیں۔

وقوف عرفہ میں کھڑا رہنا شرط ہے واجب نہیں، اور وقوف کے لیے نیت شرط نہیں لیکن مستحب ہے۔عورت حیض کی حالت میں وقوف کر سکتی ہے۔حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ کھلے میدان میں ہے مسجد کے اندر نہیں۔

اس دن ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر (قصر سے) عرفات کی مسجد نمرہ میں خطبہ حج کے بعد ظہر کے وقت باجماعت ادا کی جاتی ہیں (اگر اپنے اپنے خیمہ میں ادا کرنی ہوں تو ظہر اور عصر قصر کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر ادا کرنی ہوں گی) اس قیام کے دوران سارا وقت توبہ، استغفار میں گزارنا چاہیے اور غروب آفتاب تک رہنا چاہیے۔سورج کے غروب ہونے پر مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔اگر کوئی سورج غروب ہونے سے پہلے عرفہ سے نکل گیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وقوف عرفہ کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے لگائیں:

۱۔ عباسؓ بن مرداس سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، عرفہ کی شام (بعد زوال) کو اپنی امت کی بخشش کے لیے دعا کی''۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول کر لی گئی'' فرمایا، ''میں نے معاف کر دیا ہے سوائے بندوں کے حقوق کے، میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا''۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا،''اے پروردگار اگر تو چاہے مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو معاف کر دے''۔ عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول نہ کی گئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دوبارہ دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول کر لی گئی۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کہا،''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس کیوں رہے ہیں، اللہ تعالیٰ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتا رہے'' فرمایا،''اللہ کے دشمن ابلیس کو جس وقت پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے۔ اس نے مٹی پکڑ کر اپنے سر پر ڈالنا شروع کر دی اور ویل اور ہلاکت پکارنا شروع کر دیا۔ اس کی اضطرابی دیکھ کر میں ہنس پڑا''۔

۲۔ حضرت عائشہؓ ام المومنین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لیے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رأفت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے،''**مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ**'' دیکھتے ہو! میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں''

۳۔ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز (تابعی) سے روایت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''شیطان کسی دن اتنا ذلیل، اتنا خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جلا بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل وخوار، روسیاہ اور جلا بھنا دیکھا جاتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ وہ اس دن اللہ کی ''رَحْمَتْ'' کو (موسلا دھار) برستے ہوئے اور بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اس لعین کے لیے ناقابل برداشت ہے)

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعض گناہ اس طرح کے ہیں کہ بدون عرفہ کے ٹھہرنے کے اور کوئی ان کا کفارہ نہیں۔

وُقوفِ مُزْدَلِفَہ: وقوف مزدلفہ واجب ہے سنت نہیں۔ اس کا وقت ۹ ذی الحجہ کی رات سے ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گزارنا مسنون ہے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہیں اور پھر ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو فجر کی نماز پڑھ کر منٰی کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وقوف مزدلفہ بغیر کسی عذر کے ترک کیا جائے تو قربانی لازم ہے اور اگر اسے ترک کیا اژدہام کے خوف سے یا کوئی دوسرا عذر رہو تو اس پر کچھ لازم نہیں۔

وُقوفِ منیٰ: ۱۰ ذی الحجہ کو صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے پر مزدلفہ سے منیٰ آیا جاتا ہے اور پھر منیٰ میں ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور کوئی ۱۲ ذی الحجہ کی رات کو ٹھہر کر ۱۳ ذی الحجہ کو واپس مکہ مکرمہ آنا چاہے تو یہ قیام وقوف منیٰ کہلاتا ہے۔ دوران قیام، رمی جمرات اور قربانی ہوتی ہے اور اس قیام میں تسبیح و ذکر میں مصروف رہنا چاہیے۔

یہ مکروہ ہے کہ اگر کوئی رمی کی راتوں میں منیٰ میں نہ رہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ خود تو منیٰ میں ٹھہرا رہے اور سامان مکہ معظّمہ پہلے بھیج دے۔

ہ

ھدی: ہدی، اس پاک جانور کو کہتے ہیں جو مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران، حرم میں ذبح کیا جاتا ہے۔ہدِیؔ''، فَعیل'' کے وزن پر ہے، جو حرم میں بطور ہدیہ بھیجا جائے، حلال چوپایوں میں سے ہو (اونٹ، گائے، بکری) اوراس کے ہدیے اور ذبح سے اللہ کا قرب اور رضا مقصود ہو۔

اونٹ، گائے اور بکری ۔ مذکر ہوں یا مؤنث۔ دونوں صنفیں برابر ہیں۔لیکن اِن تینوں میں اونٹ، سب سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ اور تابعین، سب اونٹ کو ترجیح دیتے تھے اورحرم میں مناسکِ حج کے دوران اونٹ یا اونٹنی ذبح کرتے تھے۔

آج کے دور میں لوگوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے، غیرعرب تو پہلے بھی نہیں کھاتے تھے،اب عرب لوگ بھی بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ بھیڑ، بکری اور دنبہ کا گوشت عام ہوگیا ہے۔

ہدی کی تین قسمیں ہیں:

واجب۔ اس شخص پر جس نے حجِ تمتع یا حجِ قرِان کا احرام باندھا ہے۔

ہدیِ نذر۔ یعنی کسی نے نذر مانی ہو کہ میرا فلاں کام

ہو گیا تو میں فلاں جانور ذبح کروں گا۔ نذر کی ہدی بھی واجب ہے۔ قرآن میں ہے: ''**ولیوفوا نذورھم**'' جو نذر مانی ہے، اُسے پورا کرو۔

ہدی کی تیسری قسم، ہدیِ تطوع ہے۔ یہ نفل ہے۔

حج تمتع اور حج قِران کرنے والے پر تو بطور ہدی وہی جانور ذبح کرنا لازم ہوگا، جس کی اس نے نیت کی ہے یا نذر مانی ہے۔ لیکن ہدیِ تطوع (نفل ہدی) میں، ہدی دینے والے کی گنجائش کا اعتبار ہوگا۔ اس کی گنجائش کون سے جانور کی ہے۔؟ ہدی میں دیا جانے والا جانور کم سے کم دنبہ یا بکرا (بکری) ہے۔

ہدی، خواہ واجب ہو یا نفل۔ سنت اور افضل یہی ہے کہ پاک، معین اور حلال جانوروں میں سے جو جانور بھی دیا جائے وہ صحت مند اور تر و تازہ ہو۔ گلا سڑا جانور نہ ہو۔ ایسا جانور ہو جسے لوگ پسند کرتے ہوں۔ تینوں قسموں میں سے کسی بھی قسم کی ہدی دی جا رہی ہے، اس سے مقصود اللہ کی خوشنودی اور قرب ہے۔ گھٹیا ہدیوں سے خوشنودی حاصل نہیں ہوتی۔ جتنا اچھا ہدیہ دیں گے، ہدیہ لینے والا اتنا ہی خوش ہوگا۔ ہدی میں اگر اونٹ ذبح کر رہے ہیں تو اس کی عمر کم سے کم پانچ سال ہونی چاہیے۔

گائے کی عمر کم سے کم عمر دو سال۔

بکرا، مینڈھا۔ کم سے کم عمر ایک سال۔

تندرست و توانا جانور، اللہ کی رضا کے لیے ذبح کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کا گوشت کھا سکیں۔

اور جو گوشت ان کو ملے وہ صحت مند جانور کا گوشت ہو۔ بیمار اور لاغر جانور کا گوشت نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک سو اونٹوں کی قربانی دی۔ تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے۔ باقی ۳۷ اونٹ سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ نے حضورؐ کے حکم سے ذبح کیے، اور اس طرح سیدنا علیؓ کو حضورؐ کی ہدی میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ہدی کے گوشت میں سے خود کھانا بھی سنت ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود بھی کھایا اور علی رضی اللہ عنہ کو بھی کھانے کے لیے فرمایا۔ لیکن زیادہ تر ہدی کا گوشت، دوسروں کو کھلایا جائے۔ البتہ نذر کا جو جانور ذبح کیا جائے، اس میں سے خود کھانا جائز نہیں۔ تمام گوشت، غرباء اور مساکین کو تقسیم کر دینا چاہیے۔

ہدی کے جانور کا گوشت، یا کھال وغیرہ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدی کا جانور، حرم کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ہدی کا جانور دن میں ذبح کرنا افضل ہے۔ لیکن کسی عذر کے باعث رات بھی ذبح کیا جا سکتا ہے۔

ی

يَلَمْلَمْ: یلملم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل ہے۔ اس کی تفصیل ''مواقیت'' کے زیرِ عنوان گزر چکی۔

يوم الاضحیٰ: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ۔ قربانی کا دن، مشرق و مغرب کے مسلمانوں کی خوشی کا عظیم ترین دن۔ اس دن کو ''یوم الاضحیٰ'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قربانی کا دن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا ارادہ اسی دن کیا تھا۔ اسی کی یادگار کے طور پر اس دن کو جانوروں کی قربانی کا دن قرار دیا گیا۔ اور یوم الاضحیٰ کہا گیا۔ ہمارے یہاں بہت سے لوگ عربی نہ جاننے کے باعث اس دن کو ''یوم الضحیٰ'' کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ضحیٰ' اس وقت کو کہتے ہیں جو طلوعِ آفتاب کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ دن کا ابتدائی حصہ۔

يوم التروية: ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو ''یوم الترویہ'' کہتے ہیں۔

اہل علم نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں:

۱۔ اس تاریخ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب نظر آیا تھا، جس میں کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

''اے ابراہیم ۔! اللہ کے نام پر اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرو''۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ، عرفات جانے کی تیاری میں ایک دن پہلے (۸۔ ذی الحجہ) اپنے اونٹوں کو خوب پانی پلا کر تیار کر لیتے تھے۔ اس بنا پر اس دن کا نام ''یوم الترویہ'' رکھا گیا۔ یعنی اونٹوں کو سیراب کرنے اور پانی پلانے کا دن۔

۳۔ اس دن کو اس لیے بھی یوم الترویہ کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ اس دن احرام باندھتے ہیں۔

یوم الحج الاکبر: یوم النحر کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا نام ''یوم الحج الاکبر'' رکھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں اس دن کو ''یوم الحج الاکبر'' کہا۔ ''یوم عرفہ'' کو بھی ''یوم الحج الاکبر'' کہا گیا۔

یوم عرفۃ: اللہ کے نزدیک تمام دنوں میں سب سے افضل، سب سے محترم اور سب سے زیادہ برکتوں اور رحمتوں والا دن۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اس دن اللہ جل شانہٗ، آسمانِ دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اپنے اُن بندوں پر فخر کرتے ہیں جو دور و دراز علاقوں سے اس کے گھر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ ظاہری زیب و زینت، اور ہر طرح

کے آرام و آسائش سے بے نیاز، اپنے رب اور معبود کے گھر کا طواف کرتے ہیں، جس پر عاشقانہ لباس ہوتا ہے، ان ساری جگھوں پر حاضری دیتے ہیں، جہاں جہاں اللہ کے آخری اور پیارے رسولؐ نے حاضری دی تھی۔ اپنے رب کی تحمید و تقدیس کے ترانے ان کی زبانوں پر ہوتے ہیں۔

اسی دن کو اللہ نے امتِ محمدیہ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کا دن کہا۔

نبی علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا: ''اللہ کے نزدیک کوئی دن، آج کے دن سے زیادہ عظمت و فضیلت کا دن نہیں ہے''۔ اس دن، اللہ۔ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ: دیکھو۔ ذرا میرے بندوں کو دیکھو۔ میرے آخری اور پیارے رسول کی امت کے لوگوں کو دیکھو۔ کس طرح بکھرے بال، گرد و غبار میں آئے ہوئے، میری حمد و ثنا کے ترانے پڑھتے ہوئے، مشرق و مغرب کی وسعتوں سے سمٹ سمٹ کر آ رہے ہیں۔ عاشقانہ اور والہانہ میرے گھر کے چکر لگا رہے ہیں۔ اے فرشتو۔! جاؤ۔ اِن سے کہہ دو۔ کہ اب کبھی میری ناراضگی اور عذاب نہیں دیکھو گے''۔

رسولِ رحمتؐ، جب میدان عرفات میں پہنچے تو بلالؓ کو حکم دیا کہ لوگوں سے کہدو۔ خاموش ہو جائیں، بلال نے آواز لگائی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا، رسولِ رحمتؐ کی زبان سے نکلنے والے کلمات حکمت سننے کے لیے ہر فرد گوش بر آواز ہو گیا۔ رسولِ رحمتؐ، نے خطاب کی ابتداء یوں کی: (ترجمہ):

''لوگو۔! سنو۔ ابھی ابھی۔ جبریل امین میرے پاس آئے،

کہنے لگے۔ میں اپنے رب کی طرف سے آپ پر سلام پیش کرتا ہوں۔ اور آپ کو یہ خوش خبری سناتا ہوں کہ اللہ، عزوجل نے ان سب لوگوں کو معاف کر دیا جو میدانِ عرفات میں جمع ہیں، مشعرِ حرام میں جمع ہیں، اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی یہی بشارت ہے''۔

زبانِ رسولؐ سے یہ الٰہی بشارت سنی تو صبر کا یارا نہ رہا، عمرؓ، ایک لاکھ سے زائد پرستارانِ توحید کی آواز بن گئے۔ کھڑے ہوئے اور بولے: یارسول اللہؐ! کیا یہ بشارت صرف ہمارے لیے ہے، جو آج یہاں جمع ہیں۔؟

زبانِ نبوتؐ گویا ہوئی: اے عمرؓ! نہیں، یہ بشارت، رب کریم کی طرف سے اُن سب لوگوں کے لیے ہے جو قیامت تک یہاں آئیں گے۔ اور یوں ہی والہانہ اور عاشقانہ انداز میں اپنے رب کی تحمید و تقدیس کے آوازے بلند کریں گے''۔

عمرؓ بولے: ''اللہ کی رحمت بے پایاں ہے۔ اور سب کے لیے بشارت ہے''۔

اس دن کے یوم الحج الاکبر کہلائے جانے کی یہ بھی وجہ بنی۔

یوم النحر: ذی الحجہ کا دسواں دن، قربانی کا دن، یوم الحج الاکبر۔

یَوْمُ النَّفْر: مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد، بارہ ذی الحج کو حجاج کے منٰی سے مکہ روانگی کا دن۔

یوم النفر، دو ہیں۔ یہ پہلا یوم النفر ہے۔ دوسرا یوم النفر، ایام تشریق کا تیسرا دن۔ اس دن کو دوسرا یوم النفر، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بعض حجاج، بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ روانہ نہیں ہوتے، تیرہ تاریخ کو جاتے ہیں۔ منیٰ سے مکہ جانے میں تعجیل اور تاخیر، دونوں کی اجازت ہے۔ قرآن نے کہا۔ نہ ایک دن پہلے جانے میں کوئی حرج اور نہ ایک دن تاخیر سے جانے میں کوئی حرج۔

یوم الوقوف: ذی الحجہ کی نو تاریخ کو، حجاج کے عرفہ میں وقوف (ٹھہرنے) کا دن۔

دیکھیے: عنوان: یوم عرفہ۔

حرفِ آخر

زیرِنظر کتاب کی ترتیب وتالیف میں ناچیز رقم نے سب سے پہلے قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے رجوع کیا۔قرآن کریم کی ہر آیت کا مکمل حوالہ اور ترجمہ شامل کیا۔احادیث کا ترجمہ تو لازماً دیا ہے اور چندایک مقامات پر صرف ترجمے پر اکتفاء کیا مگر ہر حدیث کے ساتھ اس کا حوالہ درج نہیں کیا۔اس سے غرض یہ ہے کہ پڑھنے والے کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

کوئی حدیث بے حوالہ نہیں۔بلکہ اردو کتب سے بھی حدیث کے حوالے نہیں دیئے،احادیث کے مجموعوں سے حوالے دیئے ہیں یا کم از کم ان سے تصدیق ضرور کی ہے۔

عربی اور اُردو میں تاریخ مکہ،تاریخ کعبہ اور تاریخ مسجد حرام پر جو کتابیں مل سکیں،ان سب سے رجوع کیا۔

اہل علم اور قارئین کی تسلی اور رہنمائی کی خاطر،مصادر و مآخذ کی تفصیل بھی پیش کر دی۔

اللہ،رحیم و کریم کے حضور سجدہ ریز ہوں کہ اس نے اس مبارک موضوع پر یہ تحریر مرتب کرنے کی توفیق بخشی۔

ادارۂ تحقیق اسلامی اسلام آباد کے دیرینہ رفیق،محترم قاری خورشید احمد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مآخذ و مصادر مہیا کرنے میں ناچیز کی مدد کی۔

اللہ تعالیٰ،ناچیز کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے۔(آمین) **وما توفيق الا بالله،عليه توكلت واليه أنيب۔**

حقیر

محمد میاں صدیقی

اسلام آباد

۱۹۔ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

۸۔نومبر۔۲۰۰۹ء

مآخذ ومصادر

کتاب	مصنف	متوفی	مطبوعہ
القرآن الکریم			
اخبار مکہ	ابوالولید محمد بن عبداللہ ازرقی	۲۰۴ھ	مکہ مکرمہ ۱۹۸۳ء
الجامع الصحیح	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ	اصح المطابع کراچی
سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ	اصح المطابع کراچی
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی	۲۷۳ھ	اصح المطابع کراچی
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ	کراچی ۱۹۶۷ء
تفسیر ابن کثیر	علامہ عماد الدین ابن کثیر	۷۷۴ھ	سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۵ھ
البدایۃ والنہایہ	علامہ عماد الدین ابن کثیر	۷۷۴ھ	مکتبہ المعارف، بیروت ۱۹۷۴ء
النجوم الظاہرہ	امام جمال الدین یوسف تغری	۸۷۴ھ	
تاریخ عمارۃ المسجد الحرام	حسین عبداللہ باسلامہ	۱۹۴۴ء	مصر ۱۹۶۴ء
تاریخ الکعبۃ المعظمہ	حسین عبداللہ باسلامہ	۱۹۴۴ء	مصر ۱۹۶۴ء
حجۃ النبی	احمد عبدالغفور عطار		مکہ مکرمہ ۱۹۷۶ء
تاریخ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی	۱۹۵۳ء	کراچی ۱۹۷۵ء
تاریخ مکہ ومدینہ	شیخ احمد ابراہیم الشریف		قاہرہ۔ ۱۹۶۵ء
دائرۃ المعارف	فرید وجدی		مصر۔ ۱۹۱۱ء

تاریخ مکہ	مولانا عبدالمعبود		لاہور۔
عمدۃ المناسک	مولانا عبدالمعبود		لاہور۔۲۰۰۲ء
سیرۃ النبیؐ	علامہ شبلی نعمانی	۱۹۱۴ء	کراچی۔۱۹۸۵ء
سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۹۷۴ء	لاہور۔۱۹۷۹ء
رحمۃ للعالمین	قاضی سلیمان سلمان منصور پوری	۱۹۳۲ء	لاہور۔۱۹۹۱ء
رہبر حج وعمرہ	ایم اے حسن		لندن۔۱۹۰۵ء
عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ		کراچی۔۱۹۷۹ء

اہلِ علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ علم اصطلاحات کے باب میں مسلم علمانے بہت نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ہمارے صاحبانِ علم نے مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات کو دو طریقوں سے مرتب کیا ہے۔ پہلی صورت یہ اپنائی کہ ایک ہی کتاب میں مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات جمع کیں۔ معلوم اور مستند حوالوں کی روشنی میں ان کے مفہوم ومعنی کی تشریح کی۔ اصطلاحات کی جمع وترتیب کی دوسری صورت یہ اختیار کی کہ ایک کتاب میں ایک ہی فن کی اصطلاحات کو جمع کیا۔ اس طریقے نے علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مزید آسانیاں پیدا کردیں۔ اُن کے اس علمی امتیاز اور تقدم کا اعتراف ساری دنیا کے صاحبانِ علم وفضل نے کیا۔ مختلف علوم وفنون کے لغات اور اصطلاحات کو اُردو میں مرتب ومدوّن کرنے میں جہاں برصغیر کے متعدد ادارے مصروف ہیں وہاں مقتدرہ بھی گزشتہ تیس برس سے اس علمی اور قومی تحریک میں بھرپور کردار ادا کررہا ہے۔ مقتدرہ کی وسیع تر کوششوں کا ایک اہم اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ سائنسی اور عصری علوم کی اُردو میں ترویج واشاعت کے ساتھ، وہ دینی علوم کی ترویج واشاعت کو بھی اپنے فرائض کا ایک اہم حصہ سمجھتا ہے۔ اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کی ابتدا کم وبیش پندرہ برس پہلے قرآن مجید کے عربی اُردو لغت کی اشاعت سے کی گئی۔ قرآن مجید کی برکت اور مرتبہ کام کے دلنشین اور آسان اسلوب کے باعث، مقتدرہ کی اس پیشکش کو جہانِ علم میں بے حد پسند کیا گیا۔ اس عرصے میں اس لغت کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ "قرآن مجید کے عربی اُردو لغت" کے بعد مقتدرہ نے اصطلاحاتِ قرآن پر ایک کتاب شائع کی۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے مرتب کی تھی۔ ہم نے اپنی اس کاوش اور کوشش کے بعد جائزہ لیا کہ اس میدان میں اور کہاں قدم آگے بڑھائیں۔ ہم نے دیکھا کہ حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے ہر سال کئی لاکھ افراد پاکستان سے جاتے ہیں، اُن میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حج اور عمرہ کی اصطلاحات سے مکمل طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔ اکثر زائرین کو بنیادی احکام ومسائل کا بھی علم نہیں ہوتا۔ حج اور عمرہ کی اصطلاحات پر مواد دیکھنے میں نہیں آتا۔ مقتدرہ نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ ملک کے معروف اسکالر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی سے درخواست ک...

میں وہ مقتدرہ کی مدد کریں۔ ہم اُن کے شکرگزار ہیں ...

مطابق حج اور عمرہ کی اصطلاحات پر ایک جامع اور مس...

صحیح معنی میں اس کارِ خیر میں ہمارے معاون بنے۔ ...

اچھے اور مخلصانہ ارادے کو عمل کے قالب میں ڈھالنے کی ہمت وتوفیق بخشی۔ امید ہے اہلِ علم اور زائرینِ حرم، مقتدرہ کی اس کاوش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔ زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ حج اور عمرہ کی ادائیگی میں اُن کے لیے مزید سہولت اور یکسوئی کا ذریعہ بنے گا۔